Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 01, January - March 2026, **PP**: 283-316
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

ریاستی تحفظ کے لیے خفیہ معلومات سے استفادہ کے نبوی طریقہ ہائے کار

The Prophetic Methods of Utilizing Secret Information for the Protection of State

1. Hafiz Muhammad Jabir mjabir790@gmail.com	*MPhil Scholar,* *Department of Islamic Studies,* *University of Southern Punjab, Multan.*
2. Dr. Maria Khalil mariakhalil59@gmail.com	*Lecturer,* *Department of Islamic Studies,* *Sardar Bahadur Khan Women's University, Quetta.*
3. Madiha Shah madihashah1990.pk@gmail.com	*MPhil in Islamic Studies,* *Department of Islamic Studies,* *Al-Hamd Islamic University, Islamabad.*

How to Cite:	Hafiz Muhammad Jabir, Dr. Maria Khalil and Madiha Shah. 2026: "The Prophetic Methods of Utilizing Secret Information for the Protection of State". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (01): 283-316.
Article History:	**Received**: 21-02-2026 / **Accepted**: 20-03-2026 / **Published**: 31-03-2026

Copyright:	**©The Authors**
Licensing:	This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Conflict of Interest:	Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

DRJI, Advanced Sciences Index, CiteFactor, Asian Research Index, SCI, Google Scholar, اردو جرائد, تحقیقات, ADL Asian Digital Library, EuroPub

Publisher

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

ریاستی تحفظ کے لیے خفیہ معلومات سے استفادہ کے نبوی طریقہ ہائے کار

The Prophetic Methods of Utilizing Secret Information for the Protection of State

1. **Hafiz Muhammad Jabir**
   MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, University of Southern Punjab, Multan.
   mjabir790@gmail.com

2. **Dr. Maria Khalil**
   Lecturer, Department of Islamic Studies, Sardar Bahadur Khan Women's University, Quetta.
   mariakhalil59@gmail.com

3. **Madiha Shah**
   MPhil in Islamic Studies,
   Department of Islamic Studies, Al-Hamd Islamic University, Islamabad.
   madihashah1990.pk@gmail.com

Abstract

This study explores methodology of the prophet Muhammad (PBUH) about utilizing the secret information as the strategic and structured component of community protection and state-building in early Islam. The research highlights the ways of gathering the intelligence reports, controlling the information. The strategic secrecy which played a central role in ensuring the survival and expansion of the nascent Muslim community has also been explained. The study adopts a historical-analytical and qualitative approach. It draws upon classical Islamic sources to rebuild the patterns of security practices and information management. The findings reveal that the Holy Prophet (ﷺ) employed a perfect intelligence system which included various disclosures, among them coded communication, trustable informants, and decentralized information chains. Such measures were not only reactive but they formed a proactive security doctrine that aimed at preventing conflict, minimizing risk and enabling informed decision-making. The covert operations, migration strategies and diplomatic engagements further demonstrate a high level of situational awareness, planning, and adaptability. The study concludes that the Prophetic model elaborates a sophisticated framework of information utilization which integrates ethical considerations with strategic foresight. This model offers valuable insights for contemporary discussions on security, governance, and intelligence management within both religious and modern socio-political contexts.

Keywords: *Information Management, State Formation, Strategic Secrecy, Islamic Governance, Hijrah, Early Islam, Security Strategy, Intelligence Gathering, Secret Information, Prophetic Methodology.*

تمہید و تعارف

کسی بھی ملک، شہر اور معاشرے کی حفاظت کے لیے ہر طرح کی معلومات اور آگاہی رکھنا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی نئے شہر یا علاقے کی تعمیر کی جاتی ہے تو اردگرد کے حالات سے مکمل واقفیت بنیادی اصولوں میں شامل ہوتی ہے، خصوصاً ایسا علاقہ جو اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے اندرونی اور بیرونی خطرات کا سامنا کر سکتا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ابتدا ہی سے حفاظتی حکمت عملی کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل رکھا۔ آپ ﷺ نے معاشرے میں ہونے والے مختلف اعمال کا باریک بینی سے جائزہ لیا

اور ہمیشہ اپنے ارد گرد کے حالات وواقعات سے باخبر رہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک حفاظتی اقدامات کس قدر اہم تھے۔ آپ ﷺ نے حفاظتی حکمت عملی کو عملی طور پر مختلف مراحل میں تقسیم کیا، جن میں پہلا مرحلہ اندرونی صفوں کی مضبوطی اور معلومات کی اہمیت پر مبنی تھا۔ اس کے بعد اندرونی نظام کو خارجی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے معلوماتی اور حفاظتی اقدامات کو منظم انداز میں آگے بڑھایا گیا، جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔

مرحلہ اوّل: معلومات، استیعاب اور جذب کا عمل

پہلی وحی کے نزول کے وقت نبی کریم ﷺ اور حضرت جبرائیلؑ کے درمیان جو مکالمہ ہوا، اس میں حضرت جبرائیلؑ نے آپ ﷺ سے کچھ کلمات ادا کرنے کو کہا۔ آپ ﷺ نے ان کلمات کی ادائیگی میں تین مرتبہ شدید دقت اور دباؤ کا سامنا کیا[1]۔ یہ کیفیت غیر معمولی نہیں تھی بلکہ فطری تھی، کیونکہ آپ ﷺ پر ایک عظیم ذمہ داری ڈالی جارہی تھی۔ یہ امانت اس قدر عظیم تھی کہ اس کا بوجھ برداشت کرنا آسان نہ تھا۔

اسلامی دعوت کے ابتدائی مرحلے نے جزیرۂ عرب اور اس کے اطراف کے لوگوں میں تشویش پیدا کر دی۔ یہی وجہ تھی کہ روم اور فارس جیسی بڑی طاقتیں اس ابھرتی ہوئی قوت کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگیں اور اسے ابتدا ہی میں ختم کرنے کی کوشش میں تھیں۔ ایسے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ اسلام کی دعوت کا آغاز مخفی انداز میں کیا جائے اور اسے محدود افراد تک رکھا جائے۔

ابتدائی وحی کے بعد دعوت دین کے اس اسلوب کا جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ آیا مخفی دعوت اختیار کرنا درست تھا یا نہیں؟ درحقیقت یہ طریقہ کار واضح مقاصد اور مخصوص ذرائع کے ساتھ ایک منظم حفاظتی حکمت عملی کے عین مطابق تھا۔ نبی کریم ﷺ اپنے اہلِ خانہ کی ہدایت کے لیے بہت حریص تھے۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور ہر مشکل گھڑی میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ جب قریش آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتے تو وہ آپ ﷺ کے لیے ڈھال بن جاتیں[2]۔ آپ ﷺ کی بیٹیوں نے بھی ایمان لا کر آپ ﷺ کی تصدیق کی[3]۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے ابتدا میں اس معاملے کو غیر معمولی سمجھتے ہوئے حضرت ابو طالب سے مشورہ کرنے کی اجازت چاہی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ اسلام قبول کریں تو اسے فی الحال مخفی رکھیں[4]۔ اسی طرح زید بن حارثہؓ، جو آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، بھی ایمان لے آئے[5]۔

آپ ﷺ کے خاندان کا اسلام قبول کرنا حفاظتی حکمت عملی کے لحاظ سے نہایت اہم اور دور رس نتائج کا حامل تھا۔ جب خاندان کے افراد نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا اور اس کا اعلان نہیں کیا تو قریش آپ ﷺ کے حالات سے بے خبر رہے[6]۔ اس طرح آپ ﷺ کو ایک محفوظ ماحول میسر آیا، اور آپ کے قریبی لوگ آپ کے لیے معلومات کا ذریعہ بن گئے، جو مکہ اور قریش کے حالات سے آپ ﷺ کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے استیعاب اور دعوت کے عمل میں خاص حفاظتی تدابیر اختیار کیں۔ جب لوگوں کو خفیہ طور پر دعوت دی جاتی تو مکمل رازداری کا اہتمام کیا جاتا۔ اس حکمت عملی کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اسلام کی دعوت سے بے خبر رکھا جائے، کسی ممکنہ مسلح تصادم سے بچا جائے، اور معاشرے میں امن وامان کو برقرار رکھا جائے۔

آپ ﷺ نے اپنی پیشگی معلومات اور مکہ کے معاشرتی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے باقاعدہ طور پر معاشرے میں نکلنے کا فیصلہ کیا، تاکہ اپنے لیے ایک منظم اور مضبوط حلقۂ احباب تیار کر سکیں، جو ہر مشکل وقت میں آپ ﷺ کے معاون و مددگار ثابت

ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عرب کے معزز ترین اور اعلیٰ نسب رکھنے والے شخص، حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اسلام کی دعوت دی، اور وہ ایمان لے آئے۔ آپؓ نہایت با اخلاق، اپنی قوم میں محبوب، اعلیٰ ثقافت کے حامل، معاشرتی رجحانات کے ماہر اور بلند سماجی مقام رکھنے والے فرد تھے، اسی وجہ سے لوگوں میں انتہائی معزز سمجھے جاتے تھے[7]۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے قابلِ اعتماد اور با اعتماد ساتھیوں کو اسلام کی دعوت دینا شروع کی۔ چنانچہ حضرت عثمان بن عفانؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، زبیر بن العوامؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبد الرحمن بن عوفؓ نے آپؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد مسلسل لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اگرچہ اسلام پھیلنا شروع ہو چکا تھا، لیکن اس مرحلے پر بھی آپ ﷺ نے دعوت کو مخفی رکھا[8]۔

ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے منظم انداز میں کام کرتے ہوئے حفاظتی تدابیر کو ہمیشہ اپنی ترجیحات میں شامل رکھا، تاکہ کسی قسم کی بدامنی پیدا نہ ہو اور لوگوں کی جان و مال کا تحفظ یقینی بنایا جا سکے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتخاب اس سلسلے میں نہایت دانشمندانہ فیصلہ تھا، کیونکہ وہ قریش اور عرب کے انساب کے ماہر، مالدار، باوقار اور نرم دل شخصیت کے مالک تھے۔ لہٰذا ایسے شخص کا انتخاب ایک مضبوط اور محفوظ بنیاد قائم کرنے میں نہایت مؤثر ثابت ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نہایت حکمت اور احتیاط کے ساتھ دعوت کا آغاز کیا۔ انہوں نے اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر ایسے معزز اور باوقار افراد کا انتخاب کیا جن کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ نہ صرف اسلام قبول کریں گے بلکہ اس راز کو بھی محفوظ رکھ سکیں گے۔

مسلمانوں نے دعوت دین کے پھیلاؤ کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ تک جب دعوت پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا تاکہ وہ نبی کریم ﷺ کی بات سنیں۔ جب وہ واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نہایت اعلیٰ اخلاق کے حامل ہیں۔ تاہم حضرت ابو ذرؓ مطمئن نہ ہوئے اور خود مکہ جانے کا فیصلہ کیا۔ مکہ پہنچ کر وہ آپ ﷺ کو تلاش کرتے رہے، مگر نہ پہچان سکے اور نہ ہی کسی سے پوچھا۔ بالآخر حضرت علیؓ نے انہیں دیکھا اور اندازہ کیا کہ یہ کوئی اجنبی ہیں۔ انہوں نے انہیں اپنے ساتھ رکھا۔ دو راتیں انہوں نے خاموشی سے گزاریں، پھر تیسری رات حضرت علیؓ نے ان سے آنے کا مقصد پوچھا۔ انہوں نے شرط رکھی کہ اگر مدد کا یقین دلایا جائے تو وہ حقیقت بتائیں گے۔ یقین دہانی کے بعد انہوں نے اپنا مقصد بیان کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ برحق ہیں اور اللہ کے رسول ہیں۔ پھر دونوں نے طے کیا کہ وہ اگلے دن آپ ﷺ کے پاس جائیں گے۔ حضرت علیؓ آگے چلیں گے اور حضرت ابو ذرؓ پیچھے رہیں گے۔ اگر کسی خطرے کا اندیشہ ہوا تو حضرت علیؓ رک جائیں گے، گویا پانی پینے کے لیے رکے ہوں، اور اگر وہ چلتے رہیں تو ابو ذرؓ بھی ان کے پیچھے چلتے رہیں۔ اس طرح وہ نبی کریم ﷺ تک پہنچے، آپ ﷺ کی بات سنی اور وہیں اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے انہیں ہدایت دی کہ اپنی قوم میں واپس جائیں، انہیں اسلام کی دعوت دیں اور مزید احکام کا انتظار کریں[9]۔

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی ذمہ داری کو کس قدر سنجیدگی سے محسوس کیا۔ وہ حالات سے باخبر رہنے کی اہمیت کو سمجھتے تھے، اسی لیے وہ نہایت احتیاط کے ساتھ کام کرتے، خطرات کے باوجود ایک دوسرے کی مدد کرتے اور تمام اہم معلومات نبی کریم ﷺ تک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔

مسلمانوں کے اندر حفاظتی تدابیر کی اہمیت کو پوری طرح اجاگر کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خاص طور پر اس بات کا اہتمام کیا کہ قریش کے ردِعمل سے بچتے ہوئے نئے مسلمانوں کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔ اسی طرح عمرو بن عبسہؓ بھی مکہ آئے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو خفیہ پایا تاکہ قریش کی طرف سے کسی نقصان سے بچا جا سکے۔ وہ نہایت احتیاط کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس آئے اور سوال کیا کہ آپ کی دعوت کیا ہے اور آپ کے پیروکار کون ہیں؟ آپ ﷺ نے نہایت حکمت کے ساتھ جواب دیا کہ آپ

کے پیروکاروں میں آزاد اور غلام، ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ بھی موجود تھے۔ آپ ﷺ نے عمرو بن عبسہؓ کو ہدایت دی کہ وہ اپنے گھر واپس جائیں اور اس وقت تک ظاہر نہ ہوں جب تک دعوت اعلانیہ نہ ہو جائے[10]۔

ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ میں حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کی غیر معمولی بصیرت اور دور اندیشی موجود تھی۔ آپ ﷺ نے ایک منظم، محفوظ اور پُر امن دعوتی نظام قائم کیا اور اس بات کو یقینی بنایا کہ کسی قسم کی بدامنی پیدا نہ ہو۔ اس پوری حکمت عملی میں صحابہ کرامؓ نے بھرپور ساتھ دیا، جس کے چند نمایاں پہلو یہ ہیں:

1. آپ ﷺ نے اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ دشمن تک مسلمانوں کے بارے میں مکمل معلومات نہ پہنچ سکیں، جیسا کہ عمرو بن عبسہؓ کے سوال کے جواب میں عمومی اور حکمت بھرا جواب دیا گیا۔
2. توریہ (ذو معنی انداز بیان) کا استعمال کیا گیا تاکہ حقیقت بھی پوشیدہ رہے اور بات بھی غلط نہ ہو۔
3. نو مسلمین کو اپنے ایمان کو مخفی رکھنے کی ہدایت دی گئی، تاکہ دشمن کو مسلمانوں کی تعداد اور ان کی شناخت کا علم نہ ہو سکے۔

ان اقدامات سے واضح ہے کہ یہ حکمت عملی کسی کمزوری کی علامت نہیں تھی بلکہ ایک مضبوط اور مؤثر حفاظتی پالیسی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ نو مسلم افراد اپنے اپنے قبائل میں رہتے ہوئے معلومات فراہم کریں اور حالات سے مسلسل آگاہی دیتے رہیں۔

حج کے موسم میں نبی کریم ﷺ مختلف قبائل سے ملاقات کرتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ آپ ﷺ پہلے ہر قبیلے کے حالات اور پس منظر کے بارے میں معلومات حاصل کرتے، پھر دعوت پیش کرتے۔ مثلاً جب آپ ﷺ نے بنو ثقیف کے معزز افراد کو دعوت دی تو انہوں نے اسے سختی سے رد کر دیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس دعوت کا ذکر کسی سے نہ کریں، کیونکہ اندیشہ تھا کہ قریش کو اس کی خبر ملنے سے ان کی دشمنی میں اضافہ ہو جائے گا۔ اسی ملاقات کے نتیجے میں عداس مسلمان ہوئے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان سے حضرت یونسؑ اور ان کے علاقے (عراق) کے بارے میں گفتگو کی، جس نے ان کے دل پر گہرا اثر ڈالا[11]۔

حضرت اسعد بن زرارہؓ نے مدینہ کے معزز اور بااثر افراد، نیز وہاں کے حالات و معلومات، نبی کریم ﷺ کے سفیر حضرت مصعب بن عمیرؓ تک پہنچائیں، جن میں سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ جیسے اہم افراد شامل تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے سفیر مسلسل ان حضرات کے ساتھ رابطے میں رہے، یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے۔ اس کے بعد ان دونوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں پوری قوم مسلمان ہو گئی۔ پھر یہ دیگر انصار کے گھروں میں گئے اور انہیں بھی اسلام کی دعوت دی[12]۔

دعوت دین کے ابتدائی دور میں، جہاں مختلف حکمت عملیاں اختیار کی گئیں، وہاں خاص طور پر ایسی معلومات کو اہمیت دی گئی جو اشاعت دین میں معاون ثابت ہوں۔ افراد کے انتخاب میں بھی انہی معلومات کو بنیاد بنایا گیا، جس سے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا آسان ہو گیا۔ اس حکمت عملی نے مسلم جماعت کو تنظیمی سطح پر محفوظ رکھا، انہیں سیکیورٹی کی خلاف ورزیوں سے بچایا اور دشمن کی طرف سے نشانہ بننے کے خطرات کو کم کیا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی اختیار کردہ حفاظتی حکمت عملی کا پہلا مرحلہ تھا، جو قریش کے ساتھ فکری اور شعوری سطح کے تصادم پر مشتمل تھا۔ اس مرحلے میں آپ ﷺ نے نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ تاہم بالآخر قریش نے مسلمانوں کو قید و بند میں ڈالنے اور انہیں اذیت دینے کا فیصلہ کر لیا۔

مرحلہ دوم: معلومات اور حبشہ کی جانب مسلمانوں کی ہجرت

قریش نے ابتدا میں سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا

حضرت ابو طالب کو آپ ﷺ کا محافظ بنا دیا، جو ہر موقع پر آپ ﷺ کے لیے ڈھال بنے رہے۔ اس کے بعد مشرکین نے دیگر مسلمانوں کو سخت اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ چونکہ اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس مسلمانوں کی عملی حفاظت کی مکمل استطاعت موجود نہ تھی، اس لیے آپ ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: "وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم نہیں کرتا، لہٰذا تم وہاں چلے جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی راستہ پیدا فرما دے۔" چنانچہ مسلمانوں میں سے حضرت عثمانؓ، ان کی اہلیہ حضرت رقیہؓ (جو نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی تھیں)، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ سمیت دیگر صحابہ نے ہجرت کی[13]۔ یہ ہجرت نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں خفیہ طور پر انجام پائی۔ مسلمان پیدل اور سواریوں کے ذریعے بحیرۂ احمر کے ساحل پر واقع بندر گاہ شعیبہ پہنچے، جہاں اتفاقاً دو تجارتی جہاز موجود تھے، جو انہیں قریش کے تعاقب سے بچاتے ہوئے حبشہ لے گئے[14]۔

فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے نام ایک خط لکھا، جس میں درخواست کی کہ وہ وہاں مقیم مسلمانوں کو آپ ﷺ کی طرف روانہ کر دے۔ چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کو دو کشتیوں میں سوار کر کے مدینہ روانہ کیا۔ یہ حضرات مدینہ پہنچ کر خیبر میں نبی کریم ﷺ سے ملے، جہاں انہوں نے آپ ﷺ کو پہچان لیا اور دیکھا کہ خیبر فتح ہو چکا ہے[15]۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جزیرۂ عرب کے اطراف میں واقع علاقوں، ان کے حکمرانوں اور ان کی طبیعتوں سے بخوبی آگاہ تھے[16]۔ انہی درست معلومات کی بنیاد پر حبشہ جیسے مناسب اور محفوظ علاقے کا انتخاب کیا گیا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حبشہ کی طرف ہجرت صرف جان بچانے کے لیے نہیں تھی بلکہ دعوت دین کے لیے ایک آزاد اور پُر امن ماحول حاصل کرنے کی حکمت عملی بھی تھی[17]۔

مزید یہ کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو صلح حدیبیہ اور اسلامی ریاست کے استحکام سے قبل واپس نہیں بلایا، جس سے آپ ﷺ کی دور اندیشی اور اعلیٰ حکمت عملی واضح ہوتی ہے۔ اس کا مقصد مسلمانوں کی داخلی صفوں کو مختلف خطرات سے محفوظ رکھنا تھا، جس کے لیے خفیہ نقل و حرکت اور معلوماتی تدابیر اختیار کی گئیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حبشہ کی ہجرت ایک منظم اور مؤثر حکمت عملی تھی، جس میں حفاظتی تدابیر کو بروئے کار لا کر دشمن کو دھوکہ دیا گیا اور اس کے منصوبوں کو ناکام بنایا گیا۔ مسلمانوں نے نہایت رازداری کے ساتھ یہ ہجرت انجام دی، یہاں تک کہ قریش کو اس کی بروقت اطلاع بھی نہ ہو سکی اور جب تک وہ بندر گاہ پہنچے، مسلمان وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ یہ مسلمانوں کی ایک بڑی کامیابی تھی[18]۔

حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت قریش کے لیے شدید دھچکے کا باعث بنی۔ انہوں نے اس صورت حال کو قبول کرنے کے بجائے حبشہ کے بادشاہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ انہوں نے عمرو بن العاصؓ اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی کے دربار میں بھیجا، تاکہ وہ مسلمانوں کو واپس کر دے۔ یہ دونوں قیمتی تحائف لے کر گئے تاکہ درباریوں کو متاثر کر کے مسلمانوں کو بغیر سنے واپس کروایا جا سکے۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف غلط اور مسخ شدہ معلومات پیش کیں، مگر نجاشی نے انصاف کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کا مؤقف سنے بغیر فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے حق بات بیان کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے نہایت مؤثر انداز میں اسلام کی تعلیمات بیان کیں اور زمانۂ جاہلیت کے حالات اور اسلام کی اصلاحی تعلیمات کو واضح کیا۔ پھر انہوں نے سورۂ مریم کی آیات تلاوت کیں، جس سے نجاشی متاثر ہوا۔ جب عمرو بن العاصؓ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی تو حضرت جعفرؓ نے واضح کیا کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے، اس کے

رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ نجاشی نے اس بیان کو قبول کیا اور مسلمانوں کو اپنی سرزمین میں مکمل تحفظ دیا، حتیٰ کہ قریش کے بھیجے گئے تحائف بھی واپس کر دیے[19]۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریش نے غلط معلومات اور سیاسی دباؤ کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف سازش کی، لیکن مسلمانوں نے درست معلومات اور مؤثر حکمت عملی کے ذریعے اس کا مقابلہ کیا۔ حضرت جعفرؓ کی بصیرت اور مدلل گفتگو نے عمرو بن العاصؓ کے دعوؤں کو رد کر دیا اور مسلمانوں کو حبشہ میں محفوظ پناہ مل گئی۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کو حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح کا پیغام بھی بھیجا، جو اس وقت عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ بعد ازاں نجاشی نے ان کا نکاح نبی کریم ﷺ سے کر دیا اور اپنی طرف سے چار ہزار درہم مہر ادا کر کے انہیں شراحبیل بن حسنہؓ کے ساتھ مدینہ روانہ کیا[20]۔

مزید یہ کہ نبی کریم ﷺ حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے غافل نہیں ہوئے بلکہ مسلسل ان کے حالات سے باخبر رہے۔ آپ ﷺ ان کی خیریت، مشکلات اور ضروریات کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے، اور نجاشی کے ساتھ بھی رابطہ رکھا تاکہ کسی بھی قسم کے اشکالات کو دور کیا جا سکے۔ یہ رابطہ خطوط کے ذریعے ہی قائم رہا جس کی تفصیلات مسلمان مؤرخین نے پیش کر رکھی ہیں۔ یہ تمام امور اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر وقت نہایت منظم، محتاط اور مؤثر انداز میں معلوماتی اور حفاظتی نظام کو قائم رکھے ہوئے تھے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ حبشہ کی طرف ہجرت دراصل ایک عبوری مرحلہ تھا، جس نے آئندہ اسلامی معاشرے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ابتدائی دونوں مراحل میں مسلمانوں کی حفاظت کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل رکھا، اور اسی حکمت عملی کے تحت انہیں مکہ کے مقابلے میں ایک زیادہ محفوظ اور پُرامن مقام پر منتقل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ حکمت عملی ایک مضبوط اور منظم مسلم معاشرے کی تشکیل میں نہایت معاون ثابت ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں کی نفسیاتی اور حفاظتی تربیت کا اہتمام کیا، بلکہ اس بات کو بھی ملحوظ رکھا کہ ایک طرف حبشہ میں موجود مسیحی برادری کے ساتھ تعلقات میں رازداری اور حکمت برقرار رہے، اور دوسری طرف مسلمانوں کے اندر اسلامی ریاست کی تعمیر کے لیے ذمہ داری کا گہرا احساس پیدا کیا جائے۔

مرحلہ سوم: معلومات اور ہجرت نبوی ﷺ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، نبی کریم ﷺ نے ابتدا ہی سے حفاظتی تدابیر کو ملحوظ رکھا اور مسلمانوں میں اس حکمت عملی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ مسلمانوں نے جو کچھ اپنے نبی ﷺ سے سیکھا، اسی کو بنیاد بنا کر آپ ﷺ نے اپنے لیے ایک مناسب مقام کا انتخاب کیا اور وہاں کے لوگوں کو اس قابل سمجھا کہ انہیں اپنے قریب کریں اور ان کی سرزمین کو پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے لیے منتخب فرمائیں۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا، جہاں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی[21]۔ آپ ﷺ کے بعد دیگر مسلمانوں نے بھی انفرادی، اجتماعی اور مختلف انداز میں خفیہ طور پر ہجرت کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ ظاہر کیا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ کچھ دیر انتظار کریں، امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی[22]۔

مدینہ کی طرف ہجرت بظاہر ایک سادہ سفر نہیں تھا بلکہ ایک نہایت اہم اور مشکل مرحلہ تھا، جس کے لیے پیچیدہ اور مؤثر حفاظتی تدابیر درکار تھیں۔ ایسی حکمت عملی ضروری تھی جس میں مکمل رازداری کے ساتھ قریش تک معلومات کے پہنچنے کو روکا جاسکے اور اس طویل و کٹھن سفر کے تمام خطرات کو مدنظر رکھا جائے۔ ہجرت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم معاشرے میں معلوماتی بصیرت، منصوبہ بندی اور حفاظتی مہارتوں کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ابتدا ہی سے اس صورت حال کو بھانپ لیا تھا، اسی لیے مسلمانوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں تاکہ وہ آئندہ بھی اس میدان کو اپنی حکمت عملی کا حصہ بنائے رکھیں۔

ہجرت کے واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو تدریجی طور پر ہجرت کرنے کی ہدایت دی گئی، تاکہ قریش کو کسی قسم کا شک نہ ہو اور وہ فوری طور پر کوئی سخت اقدام نہ کرسکیں۔ تاہم نبی کریم ﷺ کی مکہ میں موجودگی قریش کے لیے باعثِ تشویش تھی، جس سے ان کی دشمنی میں اضافہ ہوا اور مسلمانوں پر مزید مظالم ڈھائے گئے۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ نے نہایت حکمت کے ساتھ ایسی پالیسی اختیار کی جس سے مسلمانوں کی نقل مکانی ہر لحاظ سے محفوظ بنائی جاسکے۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قریش کی طرف سے قتل کی سازش سے آگاہ کردیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو آپ ﷺ کے بستر پر سونے کے لیے چھوڑا گیا، جبکہ آپ ﷺ خاموشی سے نکل کر غارِ ثور کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں رات گزاری۔ مشرکین نے حضرت علیؓ کو ہی نبی کریم ﷺ سمجھ کر گھر کا محاصرہ کیے رکھا، لیکن صبح جب وہ اندر داخل ہوئے تو حقیقت سامنے آگئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو ناکام بنادیا۔ جب انہوں نے حضرت علیؓ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی[23]۔ یہ واقعہ اس بات کی واضح مثال ہے کہ دشمن کی سازشوں سے بروقت آگاہی کسی بھی قیادت کے لیے کتنی اہم ہوتی ہے[24]۔ اسی لیے ہجرت سے قبل نہایت مؤثر حفاظتی اقدامات کیے گئے، جیسے حضرت علیؓ کا بستر پر سونا، دشمن کو دھوکے میں رکھنا، اور نبی کریم ﷺ کا محفوظ طریقے سے غارِ ثور تک پہنچ جانا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق، ایک دن دوپہر کے وقت نبی کریم ﷺ غیر معمولی وقت میں حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لائے، چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے اندر آکر فرمایا کہ غیر متعلق افراد کو ہٹا دیا جائے، اور پھر بتایا کہ انہیں ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے رفاقت کی درخواست کی، جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ اس کے بعد جلدی جلدی سفر کی تیاری کی گئی۔ حضرت اسماءؓ نے کھانے کا تھیلا اپنے کپڑے کے ٹکڑے سے باندھا، جس کی وجہ سے انہیں "ذات النطاقین" (پٹکوں والی) کہا گیا[25]۔

مزید روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ غارِ ثور میں تین دن تک مقیم رہے۔ حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ رات کو وہاں آکر مکہ کی خبریں دیتے اور صبح واپس چلے جاتے تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔ حضرت عامر بن فہیرہؓ بکریاں چرا کر لاتے اور دودھ فراہم کرتے، جبکہ ایک ماہر راہبر کو بھی ساتھ لیا گیا جو راستوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ تین دن بعد وہ اس کی رہنمائی میں ساحلی راستے سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے[26]۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت ایک مکمل منصوبہ بندی کے تحت انجام دی گئی تھی، جس میں ہر فرد کو ایک مخصوص ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ کھانے کی فراہمی، معلومات کی ترسیل، نقل و حرکت کی تیاری اور راستے کی رہنمائی—ہر پہلو پر مکمل غور کیا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ جب تک وہ غارِ ثور میں قیام کریں، ہر شخص اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے ادا کرتا رہے[27]۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ انٹیلی جنس منصوبہ بندی انسانی تاریخ کے نہایت پیچیدہ اور اہم ترین امور میں سے ایک ہے، جو جدید حفاظتی وسائل، نظریات اور صلاحیتوں میں ترقی کے باوجود بھی آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کی ہجرت کی حکمت عملی کو پانچ بنیادی نکات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- **اوّل :** کھانے پینے کی فراہمی اور اس میں حضرت اسماءؓ کے کردار کی وضاحت
- **دوم :** غارِ ثور کا انتخاب اور وہاں تین دن قیام کا فیصلہ
- **سوم :** حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کو قریش کی نگرانی پر مامور کرنا
- **چہارم :** حضرت عامر بن فہیرہؓ کی ذمہ داریاں
- **پنجم :** مدینہ کی طرف روانگی اور سفر کی تکمیل

اوّل: کھانے پینے کی فراہمی اور حضرت اسماءؓ کا کردار

مندرجہ بالا تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ ہجرت کی تیاری حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر میں ہوئی، اور ان کے اہلِ خانہ نے اس خفیہ منصوبہ بندی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے رازداری کو برقرار رکھتے ہوئے قریش تک معلومات پہنچنے سے روکنے کے لیے بھرپور تعاون کیا۔

1. حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ پیچھے گزر چکی حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سفر کی ضروریات کا اندازہ لگا کر مناسب مقدار میں سامان تیار کیا۔
2. تیاری کا عمل منظم انداز میں انجام پایا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے ہی کھانا تیار ہوا، نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ روانہ ہو گئے۔
3. حضرت عامر بن فہیرہؓ روزانہ شام کے وقت دودھ فراہم کرتے تھے، جس سے مسلسل خوراک کی ضرورت کسی حد تک پوری ہو جاتی تھی۔
4. روایات کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کی آمد و رفت کا ذکر واضح ہے، جبکہ حضرت اسماءؓ کی مسلسل غار تک آمد کا ذکر نہیں ملتا، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نقل و حرکت کو محدود اور محفوظ رکھا گیا تھا۔
5. حضرت اسماءؓ ہجرت کے وقت حاملہ تھیں اور حمل کے آخری ایام میں تھیں[28]۔ اس لیے ان کا بار بار غار تک جانا خطرناک ہو سکتا تھا۔ تاہم اس کے باوجود انہوں نے نہایت جرات اور صبر کے ساتھ اپنا کردار ادا کیا اور قریش کی سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے اس راز کو محفوظ رکھا۔

دوم: غارِ ثور کا انتخاب

قریش کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے قتل کی سازش ایک بڑا خطرہ تھی، جس کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے نہایت حکمت کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کے گھر کے پچھلے دروازے سے نکل کر جنوب کی جانب واقع غارِ ثور کا رخ کیا۔ اس حکمت عملی کا مقصد قریش کو دھوکے میں رکھنا اور ان کی توجہ اصل راستے سے ہٹانا تھا[29]۔ آپ ﷺ کو اندازہ تھا کہ قریش آپ کے گھر پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور ممکنہ راستوں پر بھی ان کے جاسوس موجود ہیں۔ اسی لیے غارِ ثور میں تین دن قیام کیا گیا، تاکہ قریش کی سرگرمیوں اور تلاش کی شدت کا جائزہ لیا جا سکے۔

سوم: حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ کا کردار

قریش کی نقل و حرکت اور منصوبوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ایک نہایت اہم مرحلہ تھا۔ اس مقصد کے لیے حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ کو منتخب کیا گیا، جنہوں نے اپنی ذمہ داری نہایت مہارت سے انجام دی۔ ان کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. غیر معمولی ذہانت، ہوشیاری اور معاملہ فہمی
2. اہم معلومات کی پہچان اور ان پر توجہ مرکوز کرنے کی صلاحیت
3. مضبوط حافظہ اور معلومات کو محفوظ رکھنے کی قابلیت
4. مؤثر انداز میں معلومات کی ترسیل
5. وقت کی پابندی اور ذمہ داری کا احساس
6. حالات کی نزاکت کو سمجھنے اور مناسب وقت پر فیصلے کرنے کی صلاحیت
7. اپنی سرگرمیوں کو مکمل رازداری میں رکھنے کی مہارت[30]

ان کی فراہم کردہ معلومات کی بنیاد پر ہی نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے مناسب وقت پر غار چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

چہارم: حضرت عامر بن فہیرہؓ کا کردار

اس پورے مشن میں حضرت عامر بن فہیرہؓ کا کردار بھی نہایت اہم تھا:

1. وہ اپنی بکریوں کو غار کے ارد گرد چراتے تھے، جس سے عبد اللہ بن ابی بکرؓ کے آنے جانے کے نشانات مٹ جاتے تھے۔
2. ان کی موجودگی علاقے میں کسی بھی مشکوک سرگرمی پر نظر رکھنے میں معاون ثابت ہوتی تھی۔
3. وہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے لیے دودھ فراہم کرتے تھے، جو خوراک کا ایک اہم ذریعہ تھا۔

پنجم: مدینہ کی طرف روانگی

تقریباً تین دن کے بعد، جب حالات سازگار ہوگئے، نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ کی طرف سفر شروع کیا۔ اس مرحلے میں بھی رازداری کو برقرار رکھا گیا۔ جب راستے میں حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا جاتا کہ یہ شخص کون ہے، تو وہ حکمت سے جواب دیتے: "یہ شخص مجھے راستہ بتا رہا ہے"۔ یہ ایسا جواب تھا جو بظاہر درست بھی تھا اور اصل حقیقت کو بھی چھپائے رکھتا تھا[31]۔ آخر کار جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ پہنچے اور مسلمانوں کو اس کی اطلاع ملی، تو انہوں نے خوشی اور جوش کے ساتھ آپ ﷺ کا استقبال کیا[32]۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مدینہ کی جانب سفر کے دوران انتہائی دانشمندی کا مظاہرہ کیا اور توریۃ کا اسلوب اختیار کیا۔ پس جو کوئی آپ ﷺ سے متعلق سوال کرتا تھا، اسے حضرت ابو بکر ذو معنیٰ جواب دے کر اپنے سے دور کر دیتے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر عرب معاشرے میں کافی معروف تھے، بالآخر یہ دونوں حضرات مدینہ پہنچ گئے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظتی حکمت عملی کے پہلے حربے کا تیسرا مرحلہ قریش کے ساتھ ذہنی کشمکش یا نفسیاتی جنگ کا تھا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کا منصوبہ قریش کے ساتھ طویل، مسلسل اور گرم جوش جدوجہد کے دوران رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک شاندار کامیابی ثابت ہوا۔ غالب امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظتی حکمت عملی کے پہلے حربے کے اختتام پر سیکورٹی کے تصورات گہرے ہو چکے تھے، مسلمانوں میں اس کی اہمیت واضح ہو چکی تھی، اور سیکورٹی کے تینوں مراحل نے انتہائی عمیق

انداز سے اپنے مقاصد حاصل کر لیے۔ مکی دور میں حفاظتی تدبیروں کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے بعد اب دوسرے حربے کے ذریعے آپ ﷺ کے عہدوں اور دوسروں کے ساتھ تعلقات کی خدمت میں معلومات کے کردار کی طرف بڑھتے ہیں، جس کا مقصد جزیرہ نما عرب پر سیکیورٹی کنٹرول حاصل کرنا تھا۔

بین القبائلی تعلقات کے قیام میں حالات وواقعات سے باخبر رہنے کی اہمیت

آپ ﷺ کے لیے مدینہ پہنچتے ہی مختلف قسم کے چیلنجز کا سامنا کرنا ایک فطری اور بدیہی بات تھی، خاص کر اس وقت جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک اسلامی ریاست کا قیام کیا۔ یہ اقدامات دشمن کے بڑھنے، آپ اور آپ کے چاہنے والوں کے خلاف منصوبہ بندیاں کرنے اور مدینہ کی ریاست کو نقصان پہنچانے کا باعث تھے۔ لہذا اب ضروری تھا کہ مدینہ منورہ کے داخلی و خارجی امن کو برقرار رکھنے کے لیے مختلف قسم کی معلومات پر انحصار کرتے ہوئے سیکورٹی کے نظام کو مضبوط بنایا جائے اور مسلمانوں میں حفاظتی تدابیر کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ جو کوئی مسلمانوں پر یا ان کی ریاست پر حملہ کرنے کی نیت رکھتا ہے، اسے منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت موجود ہو۔ آپ ﷺ کی جانب سے حفاظتی اقدامات کا تسلسل جاری رہا اور اس کے لیے دوسرا دور یعنی آپ ﷺ کے مواقف اور دوسروں کے ساتھ تعلقات کے قیام میں معلومات کی اہمیت کا تھا۔ اس دور میں تمام جزیرہ نمائے عرب کو زیر کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، جس کے لیے درج ذیل تفصیل کے مطابق تین طرح کے اقدامات کیے گئے:

پہلا اقدام: سرایا اور معلومات کو یکجا کرنا

آپ ﷺ کو کسی بھی قسم کا مناسب فیصلہ لینے سے پہلے درست معلومات کی ضرورت تھی، جس کے لیے آپ ﷺ نے عسکری قوت وطاقت کا استعمال کیا۔ اسی طرح سرایا وغیرہ کی نقل و حرکت کے لیے پیشگی معلومات پر انحصار کیا گیا۔ اس ساری حکمت عملی کو تین اوقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اوّل: غزوہ بدر سے پہلے کا زمانہ

آپ ﷺ نے اپنے اردگرد کے لوگوں کے ساتھ تعلقات ورویہ میں حفاظتی حکمت عملی اختیار کی تھی۔ اس کے علاوہ غزوہ بدر سے پہلے قریش کی ہر حرکت پر توجہ مرکوز رکھنے میں خاصی دلچسپی لی گئی کیونکہ وہ اسلامی ریاست کے لیے ایک وجودی خطرہ تھے۔ حفاظتی تدابیر کے لیے پہلا قدم جاسوس افراد کی تعیناتی اور مختلف سرایا و غزوات کی تیاری تھی، جس کی قیادت خود آپ ﷺ نے کی۔ جن کو ذمہ داری تفویض کی گئی، انہوں نے اپنا کام بخوبی سرانجام دیا۔ اگر ان تمام حکمت عملیوں اور پیشگی اقدامات، جیسا کہ فوجی نقل و حرکت اور حفاظتی تدابیر کا جائزہ لیا جائے، تو ہر اہل نظر یہ جان سکتا ہے کہ یہ ساری مہم جوئی رمضان المبارک یکم ہجری اور رمضان المبارک دوم ہجری کے مابین کا عرصہ ہے۔ اور جس علاقے کی تفتیش ہو رہی تھی، اس کے شمال میں مدینہ، جنوب میں مکہ، مغرب میں بحیرہ احمر، اور مشرق میں قدیم شہر خرار کے درمیان کا علاقہ تھا۔

اس دوران کچھ سیکورٹی آپریشن کیے گئے جن کا مقصد قریش کی اقتصادی، سیاسی اور حفاظتی حالت کو نشانہ بنانا تھا، جیسا کہ:

- حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ کو خطہ العیس میں سیف البحر کی طرف ایک خفیہ مشن کے لیے بھیجا تاکہ شام سے آنے والے قریش کے قافلے کو روکا جا سکے۔ ان کی ابو جہل سے ملاقات ہوئی اور مجدی بن عمرو الجھنی ان کے مابین رکاوٹ بن گیا[33]۔
- آپ ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو ایک دستے کا سربراہ بنا کر بطن رابغ کی طرف بھیجا تاکہ قریش کے ایک ایسے

قافلے کو روکا جائے جس میں ابو سفیان شامل تھا۔ بعض روایات کے مطابق وہ اس کارروان کا سردار تھا۔ ان دونوں لوگوں کے مابین مڈبھیڑ ہوئی جس میں پہلا تیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جانب سے چلایا گیا تھا، حالانکہ ہدایات یہ تھیں کہ کسی قسم کی ہاتھاپائی نہ کی جائے[34]۔ اس روز قریش کے کارروان سے دو افراد (مقداد بن اسود اور عتبہ بن غزوان) بھاگ کر مسلمانوں کے ساتھ آملے۔ یہ دونوں پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے البتہ مجبوراً یہ مکہ میں رہ رہے تھے اور اس وقت قریش کے کارروان میں شامل تھے[35]۔

- ان معلومات کی بنیاد پر جو رسول اللہ ﷺ تک پہنچی، سعد بن ابی وقاصؓ کو بھیجا تاکہ وہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کو روکیں۔ یہ غزوہ بدر والا قافلہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک الگ قافلہ تھا جو الخرار سے گزرنے والا تھا۔ وہ پیدل نکلے، دن میں گھات لگا کر بیٹھتے اور رات کو پیدل چلتے۔ انہوں نے جان لیا کہ ایک قافلہ کل گزرا ہے، لیکن آپ ﷺ نے ان کو الخرار سے آگے جانے سے منع کیا تھا[36]۔
- آپ ﷺ تک قریش کے ایک قافلے کے بارے میں اطلاع پہنچی جس میں زیادہ تر سامان کی ملکیت امیہ بن خلف کے پاس تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کا ایک دستی اس کی جانب روانہ فرمایا۔ وہ ایک لشکر کے ساتھ آگے بڑھے یہاں تک کہ وہ بواط کے علاقے میں پہنچے اور کوئی لڑائی نہ ہوئی[37]۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دور میں اپنی حفاظت کی کوششوں کو قریش پر معاشی دباؤ ڈالنے پر مرکوز رکھا۔ آپ کے پاس جتنی بھی حفاظتی معلومات تھیں، وہ اہداف کے حصول میں اہم عنصر ثابت ہوئیں۔ ان معلومات کی بنیاد پر قریش کے قافلے روکے گئے، اس طرح آپ ﷺ نقل وحرکت پر حفاظتی دباؤ ڈالنے میں کامیاب ہوگئے، جس سے قریش کی معیشت پر منفی اثر پڑا، یہاں تک کہ قریش کو اپنی عام زندگی گزارنے کے لیے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ سیکیورٹی کے اقدامات اور فوجی دستوں کی روانگی انہی معلومات پر مبنی تھی، جس کے لیے شروع سے منصوبہ بندی کی جارہی تھی۔ عین ممکن ہے کہ آپ ﷺ جن ذرائع سے معلومات لیتے تھے، ان میں کچھ خارجی جاسوس بھی موجود ہوں[38]، جن کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات کو اپنے مقاصد کی کامیابی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا[39]۔ یہ سارے امور مسلمانوں کے مابین فعال حفاظتی کردار، دستیاب حفاظتی معلومات سے استفادہ کرتے ہوئے عملی کام سرانجام دینے کی طرف مشیر ہیں۔ اسی طرح یہ سب کچھ علامت تھا کہ مدینہ کے آس پاس کے لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ یہاں ایک ریاست کا قیام ہو رہا ہے جو طاقت، قوت اور شان وشوکت کی حامل ہے۔

اس ساری تفصیلات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک سیکیورٹی کے معاملات کس قدر اہمیت کے حامل تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ماتحت رہنماؤں کو صرف انہی امور پر کاربند رہنے کی تعلیمات دیں جو حفاظتی امور سے وابستہ تھیں۔ یہ ساری منصوبہ بندی انتہائی احتیاط کی متقاضی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کمان کے ماتحت کام کرنے والوں کو باقاعدہ ہدایات فراہم کی تھیں کہ معلومات کے حصول کے دوران کسی کے ساتھ کوئی بھی مڈبھیڑ نہ ہو اور نہ ایک خاص مقام، مکان یا جگہ سے آگے جانا چاہیے، کیونکہ آپ ﷺ کا مقصد حفاظتی امور کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے صرف اور صرف قریش کی نقل وحرکت جاننا اور مناسب معلومات حاصل ہونے کے بعد مناسب وقت پر مناسب اقدام کرنا تھا۔

مسلمانوں اور قریش کے مابین اسی طرح خفیہ جنگ جاری رہی، جس میں آپ ﷺ نے قریش کی نقل وحرکت کی

معلومات سے خوب استفادہ کیا، یہاں تک کہ غزوۃ الابواء آیا جو انہی معلومات پر مبنی تھا جو آپ ﷺ تک قریش کے قافلے سے متعلق پہنچی تھیں۔ آپ ان کو روکنے کے لیے نکلے [40]، اور بنی ضمرۃ میں پندرہ دن مقیم رہے، اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ نہ تو جنگ کریں گے اور نہ ہمارے خلاف کسی کی مدد کریں گے، اور اسے باقاعدہ دستاویزی شکل میں لکھا گیا۔ پھر وہاں سے آپ ﷺ عشیرۃ (چھوٹا قلعہ) کی جانب نکلے تاکہ قریش کے اس قافلے کو روکیں جس نے اس قلعہ میں اپنا مال جمع کیا ہوا تھا۔ جب آپ ﷺ ینبع کے وسط میں واقع عشیرہ کے قلعہ میں پہنچے تو قافلہ وہاں سے جا چکا تھا۔ وہاں موجود بنو مدلج اور بنو ضمرہ کے حلیفوں کو الوداع کیا [41]۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کسی بھی ریاست کے لیے سیکیورٹی کے معاملات کس قدر حساس، نازک اور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنی قیام گاہ کے ارد گرد رہنے والے مقامی لوگوں کی معلومات حاصل کیں، مختلف قبائل کے ساتھ اتحاد قائم کیا، اور یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تاکہ مسلم ریاست کی طاقت میں توازن قائم ہو سکے اور کسی بھی طرح کے عدم توازن سے احتراز ہو سکے۔

یہ بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ معاہدے کی شرائط ایک اہم اسٹریٹیجک جہت رکھتی ہیں، جیسے کہ ہمارے خلاف کسی کی مدد نہیں کرنی۔ مدد کے ضمن میں مسلمانوں سے متعلق کسی بھی قسم کی معلومات قریش کو فراہم نہیں کرنی، خطے میں اسلامی ریاست کا غلبہ قائم کرنا، اور مسلمانوں کو اسلامی ریاست مخالف تحریکوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنا۔

دوم: غزوہ احزاب سے پہلے کا زمانہ

آپ ﷺ نے اس حکمت عملی پر عمل درآمد جاری رکھا اور اپنے سیکورٹی مفادات کو نئے شعبوں میں وسعت دینے کے لیے کام کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے نجد کے مشرق میں حفاظتی کاموں پر توجہ مرکوز کی اور یہ دور شعبان 5 ہجری–424 عیسوی، غزوہ المریسیع کی لڑائی تک جاری رہا۔ آپ ﷺ کو نجد میں غطفان اور بنی سلیم کے جمع ہونے کی خبر ملی [42]، ان کے ساتھ قرقرۃ الکدر کے مقام پر حملہ کیا، تاہم کسی کو بھی وہاں موجود نہیں پایا گیا۔ لہذا چند جاسوسوں کو ان کے تعاقب کے لیے بھیجا گیا۔ کچھ چرواہوں کو وہاں دیکھا گیا، جس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے ان کا کوئی علم نہیں ہے، میں صرف اپنے مقررہ دنوں میں اپنی قوم کے لیے بھیڑ بکریاں چراتا ہوں۔ بالآخر آپ ﷺ بہت سی نعمتیں حاصل کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ کر وہاں کے لوگوں میں غنائم تقسیم کیں [43]۔

نجد کی جانب جو مقامی و معیاری تبدیلی واقع ہوئی، اس کی بنیاد وہ حفاظتی معلومات تھیں جو آپ ﷺ کو مختلف قبائل کے جمع ہونے سے متعلق فراہم کی گئی تھیں۔ چنانچہ انہی معلومات کی بدولت آپ ﷺ اس قابل ہوئے کہ جنگ کو دشمن کے علاقے کی جانب منتقل کر دیں۔ نجد کے قبائل کو ایک مضبوط پیغام ملا کہ آنے والے دور میں ان کا خطہ سلامتی اور فوجی کارروائی کا میدان بنے گا۔

اسی طرح آپ ﷺ کی جانب سے قریش کے قافلوں پر عسکری و فوجی دباؤ بھی ڈالا گیا تھا، بایں صورت کہ وہ مجبور تھے کہ اپنے قافلوں کا رخ شام کی بجائے عراق کی جانب موڑ دیں [44]۔ صفوان بن امیہ ایک قافلے کے سرہانے نکلا، جن کا رہنما فرات بن حیان تھا۔ پس آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو ان کے تعاقب میں قردۃ کی جانب بھیجا تاکہ وہ ان کو روک سکیں۔ پس وہ قافلہ کو پہنچے اور فرات بن حیان کو قیدی بنا لیا گیا، پھر اس کو آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو یہ اسلام لے آئے [45]۔

آپ ﷺ نے قریش کی تجارت کو معطل کر کے رکھ دیا۔ قریش کو اس ساری صورتحال یعنی مسلمانوں کی جانب سے

قافلوں کو روکے جانے کا کوئی حل سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ قبائل نے اسلامی ریاست کے ساتھ اتحاد کر لیا تھا[46]۔ قریش کو اپنی تجارت کا راستہ مجبوراً عراق کی جانب موڑنا پڑا کیونکہ شام کے راستے میں انہیں بہت سے خطرات لاحق ہو رہے تھے، جیسا کہ ابو سفیان اور صفوان بن امیہ نے کہا تھا کہ "اگر ہم مکہ میں ہی ٹھہرے رہے تو ہماری جمع پونجی ضائع ہو جائے گی[47]۔"

اس ساری اقتصادی کشمکش اور جبری پابندیوں کے بعد قریش کے سامنے دو ہی راستے تھے:

- ایک یہ کہ مسلمانوں سے مقابلہ کر کے اپنے تجارتی راستے کو کھولنے کا بندوبست کریں۔
- بھوک سے مرنے کے بجائے اسلامی ریاست کے سامنے سرنگوں ہو جائیں[48]۔

سابقہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی جانب سے قریش کی قوت کو کمزور کرنے کا اصرار دراصل ان کے اُس اثر ورسوخ اور ہیبت پر کاری ضرب لگانا تھا جو قبائل کے مابین قریش کے حق میں قائم تھا۔ اس کے علاوہ حفاظتی معلومات کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، کہ اسی کے ذریعے قریش کے خلاف کامیابیاں ملیں اور عسکری و فوجی قوت کے ذریعے قریش کی اقتصادی حالت کی بساط لپیٹ دی گئی۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ابو سلمۃ المخزومی کو قطن کی جانب بھیجا، اس وجہ سے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ خویلد کے بیٹے مسلمانوں کے خلاف بھڑک رہے ہیں اور ان کے خلاف جنگ کی دعوت دے رہے ہیں، لیکن کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور کچھ غنائم حاصل ہوئیں[49]۔ جلب سے ایک آدمی مدینہ آیا، جس نے آکر یہ بتایا کہ میں نجد سے آیا ہوں، میں نے وہاں ثعلبہ کے بعض قبائل کو دیکھا جو آپ لوگوں کے خلاف جمع ہو رہے ہیں۔ جب آپ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو چار سو صحابہ کرام کا ایک لشکر ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ یہ لشکر مدینہ سے نکل کر وادی شقرہ پہنچا اور وہاں ایک دن قیام کیا۔ سریہ کے لوگوں کو پھیلا دیا گیا لیکن انہیں کوئی نہ ملا، سارے بدو پہاڑ کی چوٹی کی جانب بھاگنے لگے اور کوئی جنگ نہیں ہوئی[50]۔ اس غزوہ کو ذات الرقاع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں صحابہ کرام کے قدم زخمی ہو گئے اور ناخن ٹوٹ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے قدموں پر پٹیاں باندھی ہوئی تھیں[51]۔

یہ سب کچھ ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی ریاست کا سیکورٹی کنٹرول کافی حد تک مضبوط ہو چکا تھا۔ کچھ لوگ تو خود رضاکارانہ طور پر اس کام کے لیے تیار ہو گئے تھے اور کچھ مسلمانوں کے دشمن قبائل کی خبریں پہنچانے پر مجبور تھے۔ چاہے مرضی سے ساتھ تھے یا مجبوراً، بہر حال اس سے مسلم ریاست کے رعب و دبدبہ کی نہ صرف خوب تائید ہوئی بلکہ مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے اور انہیں مضبوط کرنے میں بھی مدد ملی۔ یہاں سے اسلامی ریاست نے پھلنا پھولنا شروع کیا اور ایسا لگتا ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جس میں سارے قبائل اس پر آمادہ ہو گئے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب مل کر باہر نکلیں اور اپنے بچاؤ کا کوئی بندوبست کریں۔

ایسا لگتا ہے کہ دولت اسلامیہ کی دشمن قوتوں کے ساتھ دماغ کی جنگ جاری تھی، جو مسلمانوں کو ہر طرف حرکت کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ قبائل کی مخالفانہ حرکتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے معلومات اکٹھی کرنا اور پھر اس کی پیروی کرنا، اس سب کے لیے مسلمانوں کو سلامتی اور ذہنی تیاری کی ضرورت تھی۔ مسلمانوں میں قوت برداشت، درد پر صبر اور زخموں کو برداشت کرنے کی خصوصیات موجود تھیں، لہٰذا انہی مردانہ خصوصیات نے انہیں مشکل سے مشکل اہداف کے حصول کے قابل بنایا۔

جب آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ایک گروہ دومۃ الجندل میں جمع ہوا ہے، چنانچہ آپ ﷺ ایک ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ رات اور دن میں پیدل چلے اور راستوں میں ماہر رہنما کی مدد لی، ان پر حملہ کر کے بہت سوں کو زخمی کر دیا اور باقی بھاگ گئے۔ مسلمانوں

نے اونٹوں اور بھیڑوں میں سے بہت سامال غنیمت حاصل کیا[52]۔

مندرجہ بالا باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نجد کے خلاف اپنی حفاظتی مہم کے دوران بعض قبائل کے مخالفانہ اجتماعات کے بارے میں اپنی آنکھوں اور مشاہدے سے حاصل شدہ اطلاعات کو نظر انداز نہیں کیا۔ آپ ﷺ فوجی اقدام کے خطرے کے باوجود شمال کی طرف شام کی سرحدوں کی جانب بڑھے، اور رومی ریاست میں پناہ لینے والے قبائل کو ایک مضبوط پیغام دیا، راہزنوں اور ڈاکوؤں کا تعاقب کیا اور جزیرہ نما عرب کے مختلف حصوں میں اسلامی ریاست کے وقار کو نافذ کیا۔

ربیع الاول کے مہینے میں سن چھ ہجری کو آپ ﷺ نے عکاشہ بن محصنؓ کو غمر کی جانب ایک سریہ کی امارت دے کر بھیجا۔ نہایت برق رفتاری سے راستہ مختصر کرتے ہوئے وہ پہنچے، وہاں موجود لوگ ڈر کر بھاگ گئے۔ پس شجاع بن وہبؓ نے ایک لشکر بھیجا، جس نے بہت سے انعامات دیکھے، اسے حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے اور ایک چشمہ تک رسائی حاصل کی، لیکن انہوں نے اسے بچا لیا۔ پھر انہیں اپنے چچازاد بھائیوں کے مال و دولت کی جانب رہنمائی کی، تو انہوں نے ان پر چڑھائی کی اور دو سو اونٹ لے گئے[53]۔

آپ ﷺ نے زید بن حارثہؓ کو بنی سلیم کی جانب بھیجا، وہاں ایک عورت نے ان کے گھروں کی جانب رہنمائی کی، پس وہاں سے بہت سے غنائم، مال و دولت اور قیدی حاصل ہوئے۔ جمادی الاول 4 ہجری–427 عیسوی میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے آیا ہے، تو زید بن حارثہؓ کو ایک سو ستر آدمیوں کے ساتھ عیص کی جانب اس قافلے کے تعاقب میں بھیجا گیا تاکہ وہ اس قافلے کو روکیں۔ بالآخر انہوں نے اس قافلے سے مال و دولت، سونا، چاندی اور کچھ قیدی وغیرہ حاصل کر لیے۔ پھر زید بن حارثہؓ حسمی کی جانب گئے تاکہ وہاں کے راہزنوں اور فساد برپا کرنے والوں سے نمٹ سکیں، اور دحیہ کلبی کے ساتھ تعرض کر کے قیصر روم کے تحفہ تحائف سے انہیں محروم کیا جا سکے[54]۔

ایسا لگتا ہے کہ امن و سلامتی کی دنیا ایسے انسانوں کی دنیا ہے جو دشمن کو ڈراتے رہتے ہیں، دشمن قبائل کی نقل و حرکت کا پتہ لگاتے ہیں، مشرکین کے اجتماعات کے مقامات اور ان کی تعداد کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں، سرایا کے سربراہان آنکھوں اور جاسوسی گروہوں کا استعمال کرتے ہیں تاکہ یہ جان سکیں کہ ان کے اردگرد کون سی مخالفانہ حرکتیں ہو رہی ہیں اور ایسی کشمکش کی حالت میں اپنے دشمن کو کیسے شکست دی جا سکتی ہے۔

ما قبل بیان کردہ تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرایا کے سربراہان نے مضبوط سیکیورٹی پر مبنی جنگ کی قیادت کی، جس میں ان کی ذہانت و فطانت، تند و تیز چالیں اور اپنے میدان کی تمام تفصیلات موجود تھیں، جن کے استعمال سے انہوں نے اپنے اہداف انتہائی دلیری اور بہادری سے حاصل کیے۔ حرکات و سکنات میں انتہائی تیز رفتاری اختیار کی گئی تاکہ دشمن تک کسی بھی قسم کی معلومات پہنچنے سے پہلے اپنا ہدف حاصل کیا جا سکے۔ مزید یہ کہ اپنے مقاصد تک رسائی کے لیے مختلف قبائل سے معاہدے کیے اور قیدیوں سے بھی پوچھ گچھ کی۔

سوم: فتح مکہ سے پہلے کے حالات

آپ ﷺ کی جانب سے حفاظتی تدابیر کا یہ تیسرا دور شمال میں روم اور جنوب میں یمن، ذیقعدہ چھ ہجری، صلح حدیبیہ کے بعد اور رمضان المبارک آٹھ ہجری سے پہلے کے زمانے کو شامل کرتا ہے۔ اس کا مقصد جزیرہ نما عرب پر اسلام کا مکمل کنٹرول قائم کرنا تھا، اور اگلا مرحلہ یہ تھا کہ پورے علاقے پر فوجی کنٹرول قائم کر کے اسے اسلامی ریاست کے ماتحت کر دیا جائے۔ ان تمام اہداف کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ حفاظتی معلومات پر مکمل دسترس حاصل کی جائے، جس پر اس پورے عرصے میں ساری توجہ قائم رکھی

گئی۔ آپ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی کہ قضاعۃ مدینہ کے ارد گرد لشکر جمع کر رہا ہے تو آپ ﷺ نے عمر بن العاصؓ کو حکم دیا کہ وہ دن میں رکے رہیں اور رات کو سفر کریں، یہاں تک کہ وہ ذات السلاسل پہنچ گئے۔ وہ چلتے رہے یہاں تک کہ اپنے ملک میں داخل ہو کر ایک لشکر سے ملے، پس مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا تو وہ پورے ملک میں بھاگنے لگے اور منتشر ہو گئے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ابو قتادہؓ کو غطفان کی جانب بھیجا، پس وہ رات کو چلتے اور دن کو رکتے۔ ان پر حملہ کیا گیا، جس نے مقابلہ کیا اس کے ساتھ قتال ہوا اور بہت سامال غنیمت جمع کیا گیا[55]۔

اس سارے عرصہ میں کیے جانے والے اقدامات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دولت اسلامیہ کے لیے جزیرہ نما عرب کے وسیع علاقوں پر اپنا وقار قائم کرنے اور مختلف قبائل کے درمیان دہشت کے بیج بونے کے لیے سیکیورٹی معلومات کے اثرات اور اہمیت کس قدر تھے۔

ہم مندرجہ بالا تمام امور سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جاسوسی کے سیکیورٹی ادارے ایسی معلومات اکٹھی کرنے میں اہم تھے جن کا بنیادی مقصد آپ ﷺ کے مواقف کی خدمت میں مامور رہنا اور انہیں صحیح و درست دستاویزی سیکیورٹی معلومات کی بنیاد پر بروقت فیصلہ کرنے میں مدد فراہم کرنا تھا۔

دوسرا اقدام: قریش سے متعلق معلومات یکجا کرنا

آپ ﷺ نے معلومات جمع کرنے، خاص کر قریش سے متعلق معلومات جمع کرنے میں پہلے سے ہی اچھی خاصی دلچسپی لی، جس کا اندازہ سابقہ تفصیلات سے ہوتا ہے۔ مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کے بعد سے ہی آپ ﷺ نے قریش کی نقل و حرکت سے آگاہ رہنا اپنی اولین ترجیحات میں شامل رکھا۔ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جحشؓ کو ایک مکتوب دے کر بھیجا اور ہدایات دیں کہ دو دن مسلسل چلنے کے بعد اس کو کھولنا۔ جب انہوں نے اس کو کھولا تو اس میں یہ لکھا تھا: "چلتے رہو یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے مابین کھجوروں کے باغ تک پہنچ جاؤ اور قریش کی ہر حرکت سے متعلق ہمیں آگاہ کرو[56]"۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں میں حفاظتی تدابیر اور اس کی عملی صورتیں کس قدر اہمیت کی حامل تھیں۔ قریش کی خبریں جاننے میں آپ ﷺ کی دلچسپی، ان کے بارے میں حفاظتی معلومات جمع کرنے کی صلاحیت اور ایسے کامیاب منصوبے تیار کرنے سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو جنگ میں دشمن کو شکست دینے میں معاون ہوں۔ آپ ﷺ نے مشن کی حدود متعین کیں، اس کی خصوصیات واضح کیں، اور قریش کی خبروں کو جاننا اور علاقے میں ان کی نقل و حرکت کی نگرانی سمیت ضروری ذمہ داریوں پر زور دیا۔

جب ابو سفیان غزوۃ العشیرہ کے دن قافلے کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہوا اور شام کی طرف روانہ ہوا، تو آپ ﷺ نے غزوہ بدر سے دس دن پہلے طلحہ بن عبید اللہؓ اور سعید بن زیدؓ کو قریش کا قافلہ روکنے کے لیے بھیجا۔ یہ دونوں ذی المروۃ کے ساحل پر اترے اور ابو سفیان کے قافلے کو ایک اونچے مقام پر روک لیا[57]۔ آپ ﷺ نے بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباءؓ کو بدر کی جانب بھیجا تاکہ وہ قافلہ روکیں اور قافلے سے متعلق معلومات اکٹھی کریں[58]۔ انہوں نے وہاں ایک باندی کو سنتے ہوئے سنا کہ "کل یا پرسوں قافلہ آرہا ہے، میں ان کے لیے کام کروں گی[59]"۔ ان دونوں یعنی بسبس اور عدی نے آپ ﷺ کو یوں مطلع کیا: "فلاں دن فلاں پانی اترا اور ہم فلاں دن فلاں پانی میں اترے، یہاں تک کہ ہم اور وہ پانی پر ملے[60]"۔

ایسا لگتا ہے کہ غزوۃ العشیرہ کے دوران حفاظتی نگرانی سے فرار ہو کر ابو سفیان کے قافلے کی کامیابی آپ ﷺ کے لیے اس

بات کا متقاضی تھی کہ وہ اپنے دو بہترین ساتھیوں کو قریش کے قافلے کی نگرانی کے لیے جزیرہ نما عرب بھیجیں۔ پھر وہ دو حفاظتی اقدامات میں بدر کے پانیوں پر بھی شامل ہوئے، جس کا مقصد تھا:

1. یہ دیکھنا کہ آپ ﷺ نے اپنے حفاظتی دستے کو شمال میں سیکیورٹی ورک ایریا میں بھیجا، اور یہ صورتحال ضرورت کے مطابق مثبت حفاظتی کام کی ایک مثال ہے۔
2. مسلسل نگرانی کے لیے ایک سے زیادہ حفاظتی دستوں کے ذریعے قافلے کی نقل و حرکت کے بارے میں درست اور تفصیلی معلومات کا حصول، ایک سے زیادہ ذرائع سے صحیح اور دستاویزی حفاظتی معلومات فراہم کرتا ہے، جس سے قیادت نازک لمحات میں مناسب فیصلہ لے سکتی ہے۔
3. بسبس اور ابن الزغباء کو مدینہ کے جنوب میں قافلے کے تعاقب میں بھیج کر متعلقہ علاقے میں سیکیورٹی آپریشن کروانا آپ ﷺ کی مہارت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور بھیجے ہوئے دستے کے لیے درست معلومات کی فراہمی کو یقینی بنایا۔
4. اسی تناظر میں عباس بن عبد المطلبؓ نے رسول اللہ ﷺ کو جنگ احد سے قبل قریش سے متعلق مدینہ جانے کے لیے تیار ہونے کی خبر دی[61]۔ آپ ﷺ نے بنو غفار کے ایک شخص کو مکتوب دے کر روانہ کیا اور تیزی سے سفر کرنے کی نصیحت کی۔ مکتوب میں فوجیوں اور سپاہیوں کی تعداد کی تفصیل موجود تھی۔ اس نے آپ ﷺ کو قباء میں دیکھا اور وہاں وہ خط ان کے حوالے کیا۔ ابی بن کعبؓ نے سعد بن الربیعؓ کے گھر میں وہ خط پڑھ کر سنایا۔ آپ ﷺ نے دونوں سے ملنے والی خبر کی چھپائی، تاہم خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ بنو خزاعہ نے اس خبر پر مہر ثبت کی کہ قریش کا لشکر مکہ کے شمال میں طوی کے مقام پر عسکری تیاریاں کر رہا ہے[62]۔

قبیلہ خزاعہ کے مسلمانوں اور مشرکوں نے تہامہ کے مقام پر آپ ﷺ کے لیے خیر خواہی کو ثابت کیا اور آپ ﷺ سے کوئی بات یا راز نہیں چھپایا[63]۔

مذکورہ بالا تفصیلات حفاظتی معلومات کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں، جس نے آپ ﷺ کو پوری تیاری کرنے کے لیے کافی وقت دیا اور سپاہیوں کے اعلیٰ افسران کے ساتھ قریش کے متوقع حملے کا مقابلہ کرنے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کرنے کا موقع فراہم کیا[64]۔ اس کی اہمیت قریبی ذرائع سے اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ذیل میں قریش کی نقل و حرکت سے متعلق چند اہم معلومات درج ہیں:

1. آپ ﷺ تک معلومات پہنچنے کے دو اہم مقام تھے: ایک مکہ اور دوسرا مکہ کی سرحدیں۔
2. معلومات بروقت پہنچ رہی تھیں، کیونکہ تاخیر سے پہنچنے والی حفاظتی معلومات کی چنداں اہمیت نہیں ہوتی۔
3. دو معلومات کامل و مکمل تھیں: ایک حضرت عباسؓ کی جانب سے دی گئی تھی کہ قریش کی اندرونی استعداد (مکہ کے اندر) کس قسم کی ہے، اور دوسری خبر بنو خزاعہ کی جانب سے تھی کہ مکہ کے اطراف میں وہ لشکر کشی کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ یہ دونوں خبریں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔
4. دونوں خبریں انتہائی دقیق اور باریک معلومات کے ساتھ پہنچائی گئی تھیں، بایں صورت کہ حضرت عباسؓ نے فوجی دستوں کی تعداد اور تیاری بتائی، جبکہ بنو خزاعہ نے مکان کی نشاندہی کی جہاں وہ تیاریاں کر رہے تھے۔

غالباً آپ ﷺ نے ابن کعبؓ اور ابن ربیعؓ سے اس خبر کو چھپانے کا یہی مقصد رکھا تاکہ داخلی صفوں میں کسی قسم کی افواہیں پھیلنا نہ شروع ہوں، جو نقصان کا باعث بن سکتی تھیں۔

خندق کی جنگ سے پہلے بنو خزاعہ کے ایک وفد نے آپ ﷺ کو قریش کے مکہ سے مدینہ روانہ ہونے کی اطلاع دی[65]۔ جب آپ ﷺ کو ان کے خروج کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا، جس پر حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا[66]۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریش سے متعلق مدینہ منورہ پر پہنچنے والی حفاظتی معلومات کا بروقت استعمال کرتے ہوئے حملے کو روکنے کی حکمت عملی اختیار کی گئی۔ نہ صرف یہ کہ جلد از جلد حملے کا سد باب کیا گیا، بلکہ ایسی حکمت عملی تیار کی گئی کہ قریش عاجز ہو کر کھڑے رہ جائیں اور کوئی حل نہ سمجھ سکیں۔

جب آپ ﷺ عمرے کے ارادے سے مکہ مکرمہ کی جانب عازم سفر ہوئے اور ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے، تو آپ ﷺ نے بدیل بن ورقاء کو جاسوس بنا کر آگے بھیجا تاکہ قریش کی نقل و حرکت سے متعلق آگاہ کر سکے۔ جب عسفان کے قریب پہنچے تو بنو خزاعہ کے ایک جاسوس نے آپ ﷺ کو بتایا کہ "میں نے قریش کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ آپ کو بیت اللہ سے روکنے اور قتال کے لیے حبشیوں کو جمع کر رہے ہیں[67]۔" یہ معلومات آپ ﷺ کے لیے انتہائی اہم تھیں، یہاں تک کہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے بھی ان کی اہمیت موجود تھی۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ معلومات کی شناخت کا مقصد فیصلہ سازی میں مدد کرنا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ قریش کی داخلی معلومات کی کس قدر اہمیت تھی، اسی لیے اسے ہر حال میں اہم سمجھا گیا۔ دوسرا اقدام بھی آپ ﷺ کے لیے کافی مددگار اور معاون ثابت ہوا، بایں صورت کہ انتہائی مشکل اور تلخ حالات میں بھی آپ ﷺ درست اور صحیح فیصلہ لینے میں کامیاب ہوتے، جس کی بنیاد وہی درست معلومات تھیں جو مختلف جاسوسوں اور خیر خواہوں کی جانب سے پہنچتی رہیں۔

تیسرا اقدام: معلومات اور مذاکرات

آپ ﷺ نے مذاکرات کے دوران معلومات سے اسی طرح استفادہ کیا، جیسا کہ آپ ﷺ نے قریش اور قبائل کے ساتھ غزوات کے دوران اس سے فائدہ اٹھایا۔ معلومات نے آپ ﷺ کے موقف کی مضبوطی کے لیے ایک پل کی حیثیت سے کام کیا، جس کے ذریعے آپ ﷺ میں اپنے اہداف کے حصول کے لیے قوت ارادی، طاقت، عزمِ مصمم اور پختہ ارادہ پیدا ہوا[68]۔

اس سارے عمل کو تین زمانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اوّل: مکہ میں مذاکرات کا زمانہ

قریش کا ایک وفد، جس میں ابو جہل، امیہ بن خلف اور ابو سفیان شامل تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس گیا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کی پیشکش کی، اور کہا کہ ایک دوسرے سے معارضہ نہ کریں۔ پس ابو طالب نے یہ پیشکش آپ ﷺ کے سامنے پیش کی، جس کا جواب آپ ﷺ نے یوں دیا کہ: کیا تم ایک کلمہ قبول کر سکتے ہو جس سے عرب و عجم کو اپنا تابع و فرمانبردار بنا لو؟ ابو جہل نے کہا کہ ایک کیا، ہم دس کلمے بھی قبول کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو ان سے بیزار ہو جاؤ۔ بالآخر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم، وہ ہرگز تمہیں کوئی شے نہیں دے گا۔ پھر ابو طالب نے کہا کہ خدا کی قسم، میرے بھتیجے، میں نے تمہیں ان سے اتنی زیادتی کرتے ہوئے نہیں دیکھا[69]۔

مندرجہ بالا واقعہ سے آپ ﷺ کی حکمت و بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس طرح دانشمندی اور مہارت

کو بروئے کار لاتے ہوئے مشرکین مکہ کے ساتھ گفت و شنید کا اہتمام کیا، اور قریش کے درمیان حاکمیت (عربوں اور فارسیوں کی قیادت) کے بارے میں موجود دلچسپی اور خواہش سے فائدہ اٹھایا۔ اس طرح آپ ﷺ نے قریش پر سبقت حاصل کی، ان کے منصوبے کو ناکام بنایا اور اپنے چچا ابو طالب کی حمایت کو برقرار رکھا۔

دوم: حدیبیہ کے موقع پر مذاکرات

غزوۂ احزاب کے اختتام پر آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ: "اب ہم ان پر حملہ کریں گے اور وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے"، اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ تھا، جسے بعد کے واقعات نے درست اور کامیاب ثابت کیا۔ آپ ﷺ قریش کے ساتھ مذاکرات کو کامیاب بنانے میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ دینِ اسلام کا بول بالا پوری دنیا میں ہو جائے، اسی مقصد کو اہم سمجھتے ہوئے آپ ﷺ نے امن کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو، خواہ وہ اندرونی سطح پر ہوں یا قریش کی طرف سے، عبور کیا۔

عروہ بن الزبیر نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم کی سند سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے، جس سے صلح کی پیشکش کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ بدیل بن ورقہ نے آپ ﷺ سے قریش کا ذکر کیا:

" جنہوں نے حدیبیہ کے پانی کے ذخائر پر اپنا پڑاؤ ڈال رکھا ہے، اور ان کے ساتھ بکثرت دودھ دینے والی اونٹنیاں اپنے بچوں کے ساتھ ہیں۔ وہ آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روکیں گے۔" لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

> "ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، ہم صرف عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ مسلسل لڑائیوں نے قریش کو کمزور کر دیا ہے اور انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اب اگر وہ چاہیں تو میں ایک مدت کے لیے ان سے صلح کا معاہدہ کر لوں گا، اور اس عرصے میں وہ میرے اور عوام (کفارِ مشرکینِ عرب) کے درمیان حائل نہ ہوں۔ پھر اگر میں کامیاب ہو جاؤں اور وہ چاہیں تو اس دین (اسلام) میں داخل ہو سکتے ہیں، جس میں دیگر لوگ داخل ہو چکے ہوں گے۔ لیکن اگر مجھے کامیابی نہ ہوئی تو انہیں بھی آرام مل جائے گا۔ اور اگر وہ میری اس پیشکش کو رد کرتے ہیں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں اس دین کے لیے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک میرا سر تن سے جدا نہ ہو جائے، یا اللہ تعالیٰ اسے غالب نہ فرما دے"۔
>
> بدیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کی بات قریش تک پہنچاؤں گا۔ چنانچہ وہ واپس گئے اور قریش کے پاس پہنچ کر کہا کہ ہم اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے آ رہے ہیں، اور ہم نے اسے ایک بات کہتے سنا ہے، اگر تم چاہو تو اسے تمہارے سامنے بیان کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، جو کچھ تم نے سنا ہے بیان کرو۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کی پوری گفتگو نقل کر دی۔ اس پر عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے عکاظ والوں کو تمہاری مدد کے لیے بلایا تھا، اور جب انہوں نے انکار کیا تو میں نے اپنے گھرانے، اولاد اور اپنے تابع لوگوں کو تمہارے پاس لا کھڑا کیا تھا؟ قریش نے کہا: کیوں نہیں، یہ درست ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: دیکھو، اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے سامنے ایک اچھی تجویز رکھی ہے، اسے قبول کر لو[70]۔

آپ ﷺ کی پیشکش سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے معلومات کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ اس پر امن اقدام کے ذریعے قریش اور ان کے اتحادیوں کو تقسیم کرنے میں کامیاب ہو گئے

تھے۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی پیشکش میں کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہیں کیا، بلکہ پوری جرات اور قوت کے ساتھ قریش کو یہ واضح کیا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روگردانی اور اسلام دشمنی پر قائم رہے تو انہیں سخت نتائج کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

قریش اور ان کے اتحادی مسلمانوں کو ان کے مقاصد سے روکنے کی کوششیں جاری رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ کنانہ سے ایک شخص روانہ ہوا، اور جب اس نے مسلمانوں کا جائزہ لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو بدنہ (قربانی کے جانور) کی بہت تعظیم کرتے ہیں، لہٰذا ان کی طرف بدنہ بھیجو۔" پس بدنہ بھیجا گیا، اور مسلمان تلبیہ پڑھتے ہوئے اس کا استقبال کر رہے تھے۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو اس نے کہا: سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو بیت اللہ سے روکا نہیں جا سکتا۔ وہ واپس گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے بدنہ کو قلادہ پہنے اور نشان زدہ دیکھا ہے، اس لیے میرے نزدیک انہیں بیت اللہ سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں[71]۔ انہوں نے اس سے کہا: اے حلیس! تم بدو ہو، تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ اس پر وہ غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا: اے قریش! ہمارا تمہارے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ نہیں کہ ہم ایک ایسی قوم کو بیت اللہ سے روکنے میں تمہاری مدد کریں جو اس کی تعظیم کرتی ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں ضرور محمد ﷺ اور ان کے مقصد کے درمیان راستہ کھولوں گا، یا پھر جنگ کروں گا۔ اس پر ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، اور قریش نے کہا: اے حلیس! ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو، یہاں تک کہ ہم اپنے لیے کوئی فیصلہ کر لیں[72]۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشیوں میں قربانی کے جانور کی جو عظمت تھی، مسلمانوں نے اس سے متعلق معلومات سے فائدہ اٹھایا، اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق حلیس بن علقمہ کے سامنے بدنہ پیش کیا۔ اسی حکمت عملی نے حلیس کو اپنا موقف بدلنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ اس نے قریش کو متنبہ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے روکیں گے تو وہ ان کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے، جس کے نتیجے میں ان کے اتحاد میں دراڑ پڑ گئی۔

اسی دوران ایک شخص، جس کا نام مکرز بن حفص تھا، مذاکرات کے لیے آیا۔ جب وہ مسلمانوں کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایک فاسق شخص ہے"۔ ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ کچھ دیر بعد سہیل بن عمرو آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے معاملہ آسان کر دیا ہے"۔ پس سہیل بن عمرو نے کہا: آؤ، ہم آپس میں ایک معاہدہ لکھتے ہیں[73]۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ قریش کے ساتھ مذاکرات کے دوران آپ ﷺ کے پاس نہایت اہم معلومات موجود تھیں، جن کی بنیاد پر آپ ﷺ نے قریش کے اتحاد کو کمزور کیا اور انہیں اپنی بات ماننے پر آمادہ کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا جنگ بندی کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ نئے اتحاد قائم کیے جائیں، بادشاہوں کو پیغامات بھیجے جائیں، اور دشمن قوت کو کمزور کرنے کے لیے ہر ممکن حکمت عملی اختیار کی جائے۔

سوم: صلح حدیبیہ کے بعد بادشاہوں کو خطوط بھیجنے کا زمانہ

آپ ﷺ نے قریش کی پیشکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف بادشاہوں، جیسے کہ کسریٰ، قیصر روم، نجاشی (اس نجاشی کے علاوہ جس پر آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھا تھا) اور دیگر جابر حکمرانوں کی جانب خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی[74]۔ ان خطوط میں یہ لکھا تھا:

"اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی

کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو (اے مسلمانو!) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں [75]"۔

آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ بادشاہ بغیر مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے، تو آپ ﷺ نے اپنے لیے ایک مہر بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" نقش تھا[76]۔

یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ اس امر کو یقینی بنانے میں دلچسپی رکھتے تھے کہ پیغامات اپنے مقصد کو حاصل کریں، اسی لیے آپ ﷺ نے بادشاہوں اور رہنماؤں سے اس انداز میں خطاب کیا جس سے ظاہر ہو کہ آپ ﷺ کو ان کی بادشاہت میں کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں باہمی احترام، مساوات اور صرف اللہ کی عبادت کے اصول پر تعاون کی دعوت دی۔ مزید برآں، سرکاری، اصولی اور سفارتی تعلقات کو بھی اہمیت دی گئی، اسی لیے خطوط کی ترسیل کے لیے مہر کا اہتمام کیا گیا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ہرقل روم کے لیے حضرت دحیہ کلبی کو خط دے کر بھیجا۔ جب ہرقل کے پاس خط پہنچا تو انہی دنوں ابوسفیان اس کے دربار میں موجود تھے۔ ہرقل نے ان سے آپ ﷺ کے بارے میں سوالات کیے اور کہا:

> "اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کے مالک ہو جائیں گے جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ (نبی) آنے والے ہیں، لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔ اگر میں جانتا کہ میں ان تک پہنچ سکتا ہوں تو میں ان سے ملنے کے لیے ہر تکلیف برداشت کرتا، اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا"۔

پھر ہرقل نے وہ خط منگوایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حاکم بصریٰ کو بھیجا تھا اور اس نے وہ ہرقل کو بھیج دیا تھا۔ جب اسے پڑھا گیا تو اس میں لکھا تھا:

> "اللہ کے نام سے، جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہِ روم کے نام۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد، میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر آپ اسلام قبول کر لیں تو آپ کو سلامتی نصیب ہوگی اور اللہ آپ کو دوہرا اجر عطا کرے گا۔ اور اگر آپ روگردانی کریں گے تو آپ کی رعایا کا گناہ بھی آپ ہی پر ہوگا۔ (اور اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات پر آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہہ دو کہ ہم مسلمان ہیں۔[77])"

ابوسفیان کہتے ہیں: جب ہرقل نے اپنی بات مکمل کر لی اور خط پڑھ لیا تو اس کے ارد گرد شور و غوغا برپا ہو گیا، آوازیں بلند ہوئیں، اور ہمیں باہر نکال دیا گیا[78]۔

آپ ﷺ اپنی دعوت کی کامیابی کے لیے ہر ممکن وسائل کو بروئے کار لائے۔ اس موقع پر حضرت دحیہ کلبی کا انتخاب دراصل ان کے حسن وجمال کی بنا پر تھا، کیونکہ اہلِ روم خوبصورتی اور شان و شوکت کو پسند کرتے تھے۔ خط کے مضمون سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہرقل کے لیے "شاہِ روم" کا لقب استعمال کیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو رومی بادشاہوں کے القابات کا علم تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کو عام لوگوں کی اصطلاحات، رومی ریاست، اس کے بادشاہ اور اس کے معاشرتی نظام کے

بارے میں بھی معلومات تھیں۔ اسی طرح حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی جانب خط دے کر بھیجا گیا، جس میں لکھا تھا:

"اللہ کے نام سے، جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس، عظیم قبط کے نام۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ حمد و ثنا کے بعد، میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کرو تاکہ سلامتی پاؤ، اور اللہ تمہیں دوہرا اجر عطا کرے گا۔ لیکن اگر تم نے روگردانی کی تو قبطیوں کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہو گا[79]"۔

مقوقس نے قاصد سے کہا کہ تم ایک حکیم شخص ہو، جو ایک حکیم ہستی کی طرف سے آئے ہو[80]۔ یہ واقعہ حاطب بن ابی بلتعہ کی حکمت، دوراندیشی، شجاعت اور بلاغت کے نمایاں اوصاف کو ظاہر کرتا ہے۔ مقوقس اور قبطیوں کے بارے میں جو تفصیلات پیغام میں شامل تھیں، وہ مہم کی کامیابی اور اس کے اہداف کے حصول کا ایک اہم سبب تھیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات معلومات کے کردار کو واضح کرتی ہیں، خواہ وہ کمزوری کے مرحلے میں ہوں یا طاقت کے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے نہ صرف غیر جانبدار جماعتوں کو قائل کیا بلکہ قریش کے اتحادیوں کو بھی غیر مؤثر بنا دیا۔ سفارتی آداب اور بیرونی بادشاہوں سے خطاب کے دوران معلومات کے کردار کو بھی اہم سمجھا گیا، اس طور پر کہ وہاں کے معاشروں کی ساخت، اصطلاحات، اور بالخصوص بادشاہوں کے لیے موزوں القابات سے واقفیت حاصل کی گئی۔

حفاظتی حکمت عملی کے اس مرحلے کے اختتام پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اہداف کو مختلف طریقوں سے حاصل کیا۔ معلومات نے فیصلہ سازی اور دشمنوں کے منصوبوں کی نشاندہی میں اہم کردار ادا کیا، جس کے ذریعے آپ ﷺ کو مضبوط اور درست موقف اختیار کرنے کا پورا موقع ملا، جو مقاصد کے حصول میں نہایت مؤثر ثابت ہوا۔

آپ ﷺ نے کسریٰ کی جانب عبد اللہ بن حذافہ کو مکتوب دے کر روانہ کیا۔ چنانچہ وہ اسے بحرین کے گورنر کے پاس لے گئے، اور اس گورنر نے اسے کسریٰ تک پہنچا دیا[81]۔ اس میں لکھا تھا:

"اللہ کے نام سے، جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسریٰ کے نام۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، جو تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں تاکہ زندہ لوگوں کو خبردار کریں اور کافروں پر حجت قائم کریں۔ پس اسلام قبول کرو، سلامتی پاؤ، اور اگر تم نے انکار کیا تو تمام مجوسیوں کا گناہ تم پر ہو گا[82]"۔

جب کسریٰ نے یہ مکتوب پڑھا تو اسے پھاڑ ڈالا۔ اس پر آپ ﷺ نے بددعا کی کہ وہ بھی پارہ پارہ ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا[83]۔ عبد اللہ بن حذافہ کو اس مکتوب کے لیے منتخب کرنے کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ ایمانی پختگی، آخرت سے گہرا تعلق رکھنے والے اور حکمت سے آراستہ شخصیت کے حامل تھے۔

اس طرح حفاظتی کنٹرول اور غلبہ حاصل کیا گیا، جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کو جزیرۂ عرب میں قوت و شوکت حاصل ہوئی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے بڑے بڑے بادشاہوں کو خطوط ارسال کیے۔ جزیرۂ عرب پر کنٹرول کے لیے آپ ﷺ کی حفاظتی حکمت عملی میں معلوماتی پہلو نے بنیادی کردار ادا کیا۔ سیکیورٹی کے میدان میں اس پیش رفت سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں سیکیورٹی کی فہم کو ایک منظم اور مؤثر حکمت عملی میں تبدیل کیا گیا، اور جنگوں کے دوران معلومات

کے استعمال نے حفاظتی نظام کو مضبوط بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

مرحلہ چہارم: عہدِ نبوی ﷺ کی جنگوں میں معلومات سے استفادہ

امن و امان اور سلامتی کے قیام کے لیے جو حکمت عملی اختیار کی گئی تھی، وہ بے شمار فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ لہٰذا حفاظتی کاموں کی معیاری پیش رفت نے مسلمانوں میں جزیرۂ نما عرب کو فتح کرنے کے منصوبے کو جاری رکھنے کے لیے مضبوط رغبت اور شوق پیدا کیا۔ پس آپ ﷺ نے دشمن قوتوں کے ساتھ تصادم کی حکمت عملی کے دوران معلومات حاصل کرنے اور سیکیورٹی کے نظام کو مضبوط بنانے کا کام کیا۔ مسلمانوں کو ایک محفوظ معاشرت میں لانے کی امید کو سامنے رکھتے ہوئے، آپ ﷺ کے اقدامات میں معلومات کے اثرات کو یہاں بیان کرنا ضروری ہے۔

پہلا اقدام: قریش کے خلاف آپ ﷺ کی معلومات اور جنگ وجدال کے معرکے

آپ ﷺ نے حفاظتی حکمت عملیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، جنگ کا فیصلہ کرنے سے پہلے معلوماتی بنیادوں سے رہنمائی حاصل کی، اور انہی معلومات کی روشنی میں فتح کے اصول مرتب کیے۔ چنانچہ قریش کے ساتھ آپ ﷺ کے مختلف معرکے اس طرح سامنے آئے:

غزوۂ بدر

آپ ﷺ خود بنفسِ نفیس حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ بدر کے مقام کے حالات معلوم کرنے کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ اس دوران آپ ﷺ عرب کے ایک عمر رسیدہ شخص کے پاس پہنچے اور اس سے قریش، محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں سوال کیا کہ وہ ان کے متعلق کیا جانتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمد ﷺ فلاں دن نکلے ہیں اور اس وقت فلاں مقام پر موجود ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ قریش فلاں دن نکلیں گے اور آج وہ فلاں جگہ پر ہیں۔ جب اس نے اپنی بات مکمل کی تو اس نے پوچھا کہ آپ دونوں کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: "ہم پانی سے ہیں[84]۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ سے پہلے مکمل حفاظتی اقدامات کیے تھے، جیسے قریش کی تعداد، ان کا موجودہ مقام، اور ان کی تیاریوں کی نوعیت وغیرہ۔ اس کی صورتیں درج ذیل تھیں:

- آپ ﷺ نے بدر کے اطراف میں بھیجے گئے جاسوسوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود نکل کر معلومات حاصل کیں اور قریش کی قوت وطاقت کے بارے میں آگاہی حاصل کی۔
- آپ ﷺ نے متوقع فوجی کارروائی کے لیے عملی طور پر سیکیورٹی معلومات کی اہمیت کو تسلیم کیا، اسی لیے خود میدان میں جا کر تحقیق کی، جس سے اہم معلومات حاصل ہوئیں۔
- آپ ﷺ نے میدان میں اپنی نقل و حرکت کے دوران انتہائی احتیاط برتی۔ سوالات کا مقصد دونوں فریقوں کی حیثیت اور وفاداری کا اندازہ لگانا تھا، نیز ہر قسم کے شک وشبہ کو دور کرنا تھا۔
- آپ ﷺ نے حفاظتی تدابیر کو یقینی بنانے کے لیے توریہ (اشارہ کن جواب) کا استعمال کیا، چنانچہ جب عمر رسیدہ شخص نے تعارف پوچھا تو آپ ﷺ نے غیر واضح انداز میں جواب دیا اور وہاں سے اس طرح واپس ہوئے کہ وہ شخص حیران رہ گیا۔

آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ بدر کے پانی کے علاقے

سے متعلق معلومات حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے قریش کے ساقیوں کی ایک جماعت کو گرفتار کر لیا۔ آپ ﷺ نے ان سے قریش کے بارے میں سوالات کیے تو انہوں نے بتایا کہ قریش کہاں قیام کریں گے۔ جب ان سے قریش کی تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے صرف یہ بتایا کہ وہ بڑی تعداد میں ہیں، مگر درست تعداد نہ بتا سکے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ روزانہ کتنے جانور ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: نو یا دس۔ اس پر آپ ﷺ نے اندازہ لگایا کہ ان کی تعداد تقریباً نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ ان میں قریش کے کون کون سے سردار شامل ہیں؟ انہوں نے حکیم بن حزام، نضر بن حارث، ابو جہل، امیہ بن خلف، سہیل بن عمرو، عمرو بن عبد ود اور دیگر افراد کے نام لیے۔ اس پر آپ ﷺ نے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "یہ مکہ ہے جس نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف بھیج دیے ہیں[85]"۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ قریش کی طاقت سے متعلق ہر قسم کی معلومات جمع کرنے میں انتہائی سنجیدہ تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے مختلف تدابیر اور حکمت عملیوں کو اختیار کیا، متعدد وسائل اور طریقے استعمال کیے تاکہ درست اور واضح معلومات حاصل ہو سکیں، جیسے قریش کے ساقیوں کو گرفتار کر کے ان سے معلومات لینا وغیرہ۔ ان معلومات سے آپ ﷺ کو قریش کی طاقت کے متعلق درج ذیل امور کا علم ہوا:

1. قریشی فوج کی قوت اور ان کے مرکز (مقام) کا علم حاصل ہوا۔
2. قریش کی مجموعی تعداد کا اندازہ قیاس کے ذریعے لگایا گیا۔
3. قریش کے سرداروں کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں کہ کون کون اس فوج میں شامل ہے۔

دوسری طرف قریش نے بھی مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ انہوں نے عمیر بن وہب کو بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگائے۔ اس نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے گرد چکر لگایا اور واپس آ کر کہا: ان کے پاس نہ کوئی بڑی مددگار قوت ہے اور نہ کوئی نمایاں کمانڈر، ان کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے، ان کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں۔ پھر اس نے کہا: اے قریش! تمہارے لیے موت کے بادل چھا رہے ہیں، یثرب کی اونٹنیاں خالص موت لے کر آئی ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس تلواروں کے سوا کوئی سہارا نہیں، مگر وہ انتہائی جان نثار ہیں۔ اگر تم ان سے لڑو گے تو وہ سانپ کی طرح ڈسیں گے، اور تم میں سے ہر ایک کو مارے بغیر نہیں مریں گے۔ اگر تم ان کے برابر تعداد میں ختم ہو گئے تو تمہارے لیے کیا باقی بچے گا؟ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے[86]۔

اسی طرح قریش نے ایک اور شخص کو بھیجا جس نے اسی نوعیت کی معلومات فراہم کیں۔ اس کے نتیجے میں ابو جہل اور دیگر سردارانِ قریش کے درمیان جنگ کے بارے میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا[87]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ماہر افراد کی خدمات حاصل کیں، جو اندازہ لگانے میں مہارت رکھتے تھے۔ تاہم مسلمانوں کی قوت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیے جانے سے قریش پر منفی اثر پڑا، اور انہیں محسوس ہونے لگا کہ یہ جنگ ان کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ اس طرح کی خبروں نے قریش کے قائدین کو بھی متاثر کیا، جس کے نتیجے میں ان کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔

جنگ کے اختتام پر آپ ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو دیکھے کہ ابو جہل کا کیا انجام ہوا؟"۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور دیکھا کہ عفراء کے بیٹوں (معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما) نے اسے قتل کر دیا ہے اور اس کا جسم بے جان پڑا ہے۔ انہوں

نے اس سے پوچھا: کیا تو ہی ابو جہل ہے؟ پھر انہوں نے اس کی داڑھی پکڑ لی۔ ابو جہل نے کہا: کیا تم نے آج کسی بڑے آدمی کو قتل کیا ہے، یا ایسا شخص جسے اس کی قوم نے قتل کیا ہو؟[88]

اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جنگ کے اختتام پر بھی آپ ﷺ معلومات کے حصول میں دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ جنگ کے حقیقی نتائج معلوم کیے جائیں، خصوصاً قریش کے بڑے سردار جیسے ابو جہل کے انجام کے بارے میں۔ یہ استفسار کسی فخر یا برتری کے اظہار کے لیے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ اگر وہ ہلاک ہو چکا ہے تو آئندہ قیادت کس کے ہاتھ میں ہوگی اور اس کے مطابق حکمت عملی طے کی جا سکے۔ مزید بر آں، اس کا مقصد مسلمانوں میں معلومات کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور انہیں یہ سکھانا تھا کہ کسی بھی جنگ سے پہلے اور بعد میں حالات کی درست معلومات حاصل کرنا کس قدر ضروری ہے۔

غزوہ احد

آپ ﷺ کے چچا حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی جانب سے آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا لشکر مدینہ کی جانب پیش قدمی کی تیاری کر رہا ہے۔ پس آپ ﷺ نے فضالہ کے دو بیٹوں، انس اور مؤنس کو قریش کے لشکر کے حالات سے آگاہی کے لیے روانہ کیا۔ وہ واپس آکر آپ ﷺ کو مطلع کرنے لگے کہ قریش نے اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو عریض کے کھیتوں میں چرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے کھیتوں میں کوئی سبزہ باقی نہیں چھوڑا۔ پھر آپ ﷺ نے حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، چنانچہ انہوں نے قریش کی فوج میں داخل ہو کر ان کی تعداد کا اندازہ لگایا اور واپس آکر آپ ﷺ کو اطلاع دی[89]۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مسلسل مدینہ سے متعلق قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ اسی حکمت عملی کے نتیجے میں مسلمانوں کے جاسوسوں کے لیے یہ ممکن ہوا کہ وہ قریش کے لشکر کی تعداد، طاقت اور مقام کا بروقت اندازہ لگا سکیں۔ مزید یہ کہ قریش کی صفوں میں داخل ہو کر ان کی تعداد معلوم کرنا ایک نئی حکمت عملی کی طرف پیش رفت تھی، جس کے نتائج جنگ کے اثرات سے واضح ہوتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے جنگِ احد کے فوراً بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ دیکھیں کہ قریش کیا کر رہے ہیں اور ان کا ارادہ کیا ہے۔ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہیں تو ان کا ارادہ مکہ کی طرف واپسی کا ہے، اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں تو ان کا رخ مدینہ کی طرف ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مدینہ کا ارادہ کریں گے تو ہم ضرور ان کے خلاف نکلیں گے اور ان سے قتال کریں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف جا رہے ہیں[90]۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابتدا میں قریش کا ارادہ تھا کہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کریں، لیکن صفوان بن امیہ نے اس اندیشے سے انہیں روک دیا کہ کہیں مدینہ میں مسلمانوں کی مزید قوت موجود نہ ہو[91]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ جاننے میں کتنی دلچسپی تھی کہ جنگِ احد کے فوراً بعد قریش کیا منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ ان تمام کوششوں کا حفاظتی مطالعہ اور منطقی تجزیہ درج ذیل ہو سکتا ہے:

- احد میں پیش آنے والی آزمائش کے باوجود، جب مسلمانوں نے زخم اور تکلیف برداشت کی، ایسے حالات میں قریش کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اور ان کے اگلے قدم کا اندازہ لگانا نہایت ضروری تھا۔
- یہ ایک اعلیٰ حفاظتی اقدام تھا جس کا مقصد قریش کے ارادوں کو سمجھنا اور انہیں شہر پر حملہ کرنے یا باہر سے جنگ چھیڑنے سے روکنا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے سیکیورٹی کے ذمہ دار افراد کو واضح ہدایات دیں کہ کیا معلومات درکار ہیں۔

غزوۂ احزاب

ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "کون ہے جو جائے اور ہمیں قوم کی خبر لا کر دے؟"۔ تینوں مرتبہ حضرت زبیر بن العوام نے عرض کیا: میں یا رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے[92]"۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گئے اور قریش کی خبریں لا کر آپ ﷺ کو دیں[93]۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے دن میں اور عمر بن ابی سلمہ عورتوں کے ساتھ موجود تھے۔ میں نے حضرت زبیر کو دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بنو قریظہ کی طرف دو یا تین مرتبہ گئے۔ حضرت زبیر نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ بنو قریظہ اپنے گھوڑوں اور راستوں کو درست کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے مویشی جمع کر لیے ہیں[94]۔

آپ ﷺ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور اسید بن حضیر کو بلایا اور فرمایا: "مجھے اطلاع ملی ہے کہ بنو قریظہ نے ہمارے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ جاؤ اور تحقیق کرو کہ یہ خبر درست ہے یا نہیں۔ اگر غلط ہو تو اچھی طرح چھان بین کرو، اور اگر درست ہو تو ان سے ایسے انداز میں بات کرو جسے میں سمجھ سکوں، اور وہ مسلمانوں کے خلاف کھل کر کچھ نہ کہیں"۔ جب وہ واپس آئے تو سعد بن عبادہ نے اشارۃً ان کی غداری کی تصدیق کی[95]۔

جب بنو قریظہ کی عہد شکنی کی خبر پہنچی تو اس وقت مشرکین مدینہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور شہر کے قریب موجود تھے، جس سے یہ اندیشہ بڑھ گیا تھا کہ کمزور مسلمانوں، عورتوں اور بچوں کو کس طرح محفوظ رکھا جائے۔ اس صورت حال میں یہودیوں کی عہد شکنی نے مسلمانوں کی فوجی طاقت کو مزید کمزور کرنے کا خطرہ پیدا کر دیا تھا۔

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس خبر کی تصدیق میں غیر معمولی دلچسپی لی اور مختلف ذرائع سے تحقیق کے بعد اس کے مطابق حکمت عملی ترتیب دی۔ حالات کی اس اچانک تبدیلی کے پیش نظر منصوبوں میں ردوبدل اور خطرے سے نمٹنے کے لیے افواج کی از سرِ نو ترتیب کی ضرورت کو بھی محسوس کیا گیا۔

اسی طرح آپ ﷺ کا پہلے حضرت زبیر اور پھر حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو بنو قریظہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر معلومات کی اہمیت کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا۔ حضرت زبیر کو خصوصی مشن پر بھیجنا ان کی صلاحیتوں اور اعتماد کا واضح اظہار ہے، جس سے ان کا مقام نمایاں ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس طرح مسلم افواج کے حوصلے کو برقرار رکھا، اور بعض صحابہ کو خفیہ طور پر معلومات کی تصدیق کے لیے مامور کیا، اور انہیں تاکید کی کہ وہ خفیہ انداز میں تحقیق کریں تاکہ دشمن کو کوئی خبر نہ ہو۔ یہ تمام حکمت عملی داخلی استحکام، باہمی ہم آہنگی اور بیرونی خطرات سے حفاظت کے لیے آپ ﷺ کی گہری بصیرت کو ظاہر کرتی ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کی ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، سخت سردی اور تیز ہوا نے ہمیں گھیر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "کون ہے جو مجھے دشمن کی خبر لا دے؟ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن میرے ساتھ رکھے گا"۔ ہم سب خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "حذیفہ! تم اٹھو اور جا کر ان کی خبر لاؤ"۔ جب آپ ﷺ نے میرا نام لیا تو میرے پاس اٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ اور ان کی خبریں لے کر آؤ، لیکن انہیں میرے خلاف نہ بھڑکانا"۔ حذیفہ رضی

اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں گیا اور دشمن کے قریب پہنچا، میں نے دیکھا کہ ابوسفیان آگ تاپ رہا ہے۔ میں نے تیر چلانے کا ارادہ کیا، مگر مجھے آپ ﷺ کی ہدایت یاد آگئی، اس لیے میں نے ایسا نہ کیا۔ پھر میں واپس آیا اور آپ ﷺ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ بعد ازاں مجھے سخت سردی لگنے لگی تو آپ ﷺ نے اپنی چادر کا حصہ مجھے اوڑھا دیا، اور میں اسی میں صبح تک سوتا رہا۔ صبح آپ ﷺ نے فرمایا: "اے خوب سونے والے! اٹھ جاؤ[96]"۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس وقت کے خوفناک حالات کی وجہ سے صحابہ میں سے کوئی بھی اس خطرناک مشن کے لیے فوری طور پر تیار نہ ہوا، جس کے نتیجے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں دشمن کی صفوں میں جاکر معلومات حاصل کرنے کی جو ہدایات دیں، ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسا عمل نہ ہو جو مشن کو خطرے میں ڈال دے یا مسلمانوں کے لیے مزید مشکلات پیدا کرے۔

فتح مکہ

عمرو بن سالم اور خزاعہ کے دیگر لوگ آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کو قریش کی عہد شکنی کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وہ "واپس لوٹ جائیں اور وادیوں میں منتشر ہو جائیں[97]"۔ اسی دوران ابوسفیان کی بدیل بن ورقہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آرہا ہے؟ بدیل نے اسے بتایا کہ وہ ساحل پر بنو خزاعہ کے گرد چکر لگا کر آرہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان بدیل کے اونٹ کے مقام پر گیا، اور جب اس کے گوبر کو ٹٹولا تو اس میں یثرب کی گھٹلیاں دیکھیں۔ اس سے اسے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ وہاں آئے تھے۔ پھر وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ معاہدے کو مضبوط کرے اور اس کی مدت میں اضافہ کرواسکے۔ آپ ﷺ نے اس سے عہد پر قائم رہنے کے بارے میں وضاحت طلب کی تو ابوسفیان نے اس کی تصدیق کی۔ اس نے ابو بکر، عمر اور عثمان جیسے جلیل القدر صحابہ سے بھی ثالثی، مداخلت اور جنگ بندی میں توسیع کی کوشش کی، لیکن اسے ان کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہ ملا[98]۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کی جانب سے جنگ بندی کی خلاف ورزی کے معاملے کو نہایت سنجیدگی سے لیا۔ آپ ﷺ نے بڑی رازداری کے ساتھ قریش کو ان کے عمل کی سزا دینے کی تیاری کی، اور ابوسفیان کے لیے معلومات کے تمام راستے بند کر دیے، نیز اس کے ساتھ کوئی ایسا وعدہ بھی نہیں کیا جو اسے مطمئن کر سکتا۔ تمام صحابہ کرام نے بھی اس بات کا اہتمام کیا کہ وہ ابوسفیان کو کوئی ایسی اطلاع نہ دیں جو آپ ﷺ کے ارادوں سے آگاہی کا سبب بنے۔ اس طرح ابوسفیان شدید الجھن میں مبتلا ہو گیا اور اسے کوئی راستہ سمجھ میں نہ آیا، کیونکہ سب نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔

جب آپ ﷺ فتح مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! قریش کے جاسوسوں اور خبر رساں ذرائع کو ان سے منقطع کر دے، یہاں تک کہ ہم ان تک پہنچ جائیں[99]"۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر مختلف راستوں پر نگران کی حیثیت سے گشت کر رہے تھے اور لوگوں کو ہدایت دے رہے تھے کہ: "کسی اجنبی اور ناآشنا شخص کو اپنے پاس نہ ٹھہرنے دو، بلکہ اسے دور رکھو[100]"۔

جب آپ ﷺ مرّ الظہران پہنچے تو قریش آپ ﷺ کے ارادوں سے مکمل طور پر بے خبر تھے، اور انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والے ہیں[101]۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نہایت اعلیٰ درجے کی رازداری اختیار کی، قریش تک معلومات کی

رسائی کو منقطع کیا، راستوں کی نگرانی کی، اور جاسوسوں پر کڑی نظر رکھی۔ اس حکمت عملی کے ذریعے قریش کو مدینہ کے اندرونی و بیرونی حالات سے بے خبر رکھا گیا، جس کے نتیجے میں وہ مغلوب ہوگئے اور بغیر کسی بڑی خونریزی یا مزاحمت کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ یوں حفاظتی حکمت عملی کے ثمرات حاصل ہوئے، اور آپ ﷺ نے قریش اور ان کے حامیوں پر فتح حاصل کر کے ایک ایسا تاریخی باب رقم کیا جس نے پورے جزیرۂ عرب میں فتوحات کے دروازے کھول دیے۔

دوسرا اقدام: یہود کے خلاف آپ ﷺ کی معلومات اور جنگ وجدال کے معرکہ

یہودی آپ ﷺ سے بغض اور حسد کی بنا پر شدید دشمنی رکھتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے چچا کو اپنے والد سے یہ کہتے ہوئے سنا: کیا یہ وہی ہیں؟ میرے والد نے کہا: اللہ کی قسم! یہی وہ ہیں۔ پھر اس نے کہا: تمہارے دل میں ان کے بارے میں کیا ہے؟ حیی نے کہا: خدا کی قسم! جب تک زندہ رہوں گا ان سے دشمنی رکھوں گا[102]۔

غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر آپ ﷺ نے خوات بن جبیر کو گھوڑے پر سوار کر کے بنو قریظہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کے قلعوں پر نظر رکھیں اور وہاں کی کسی کمزوری یا نقص کی اطلاع دیں[103]۔ وہ اسی نگرانی میں مصروف تھے اور قلعے کی جاسوسی کر رہے تھے کہ اسی دوران انہیں نیند آگئی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو ایک یہودی نے انہیں پکڑ رکھا تھا۔ انہوں نے اسی کے ہتھیار نکال کر اسے قتل کیا اور آپ ﷺ کے پاس واپس آ گئے[104]۔

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حفاظتی معلومات کو مد نظر رکھتے ہوئے بنو قریظہ کے قلعوں کی کمزوریوں اور دیواروں میں شگاف تلاش کرنے میں غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے جاسوس روانہ کیے تا کہ وہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں اور بروقت اطلاع دیں۔ اس سے سیکیورٹی پر مامور افراد کی ذہانت اور اعلیٰ کارکردگی بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ گرفتار ہونے کے باوجود خود کو آزاد کرنے میں کامیاب ہوئے، ورنہ وہ اہم معلومات ضائع ہو سکتی تھیں جو انہوں نے حاصل کی تھیں، جس کے نتیجے میں منصوبہ متاثر ہو سکتا تھا یا فتح میں تاخیر ہو سکتی تھی۔

جہاں تک غزوۂ خیبر کا تعلق ہے تو آپ ﷺ نے عباد بن بشر کو ایک جاسوسی گروہ کے سربراہ کے پاس بھیجا، جس نے اشجع قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک یہودی جاسوس کو پکڑ لیا۔ اس سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے بتایا کہ کنانہ بن الربیع اور دیگر لوگ اپنے اتحادیوں کے ساتھ غطفان کی طرف جا چکے ہیں۔ انہوں نے ان کو متحرک کیا اور ایک سال کے لیے خیبر کی کھجوریں دینے کا وعدہ کیا، جس کے بدلے وہ گھوڑے، اونٹ اور ہتھیار لے کر آئے اور قلعوں میں داخل ہوگئے۔ ان قلعوں میں تقریباً دس ہزار جنگجو موجود تھے، اور یہ ایسے مضبوط قلعے تھے جن پر حملہ کرنا آسان نہ تھا۔ وہاں وافر مقدار میں ہتھیار، خوراک اور پانی موجود تھا، اور وہ طویل مدت تک محصور رہ کر بھی مقابلہ کر سکتے تھے۔ اس شخص نے یہ بھی کہا کہ وہ آپ ﷺ سے مرعوب اور خوف زدہ ہیں، خاص طور پر اس وجہ سے جو کچھ آپ ﷺ نے یثرب کے یہودیوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس نے مزید بتایا کہ یہودیوں نے اس کے ایک رشتہ دار کو کنانہ بن ابی الحقیق کے پاس بھیجا تھا تا کہ وہ مسلمانوں کی کمزوریوں کے بارے میں معلومات دے سکے، اور اسے ہدایت دی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کی تعداد اور طاقت کا اندازہ لگا کر واپس اطلاع دے۔ جب عباد بن بشر نے واپس آکر آپ ﷺ کو یہ تمام معلومات فراہم کیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> اے عباد! اسے اپنے ساتھ لے جاؤ، اسے مضبوطی سے باندھو اور اسے اسلام کی دعوت دو، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لے[105]"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حفاظتی امور میں غیر معمولی دلچسپی لی اور درست معلومات حاصل کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی، تاکہ بروقت اور درست فیصلے کیے جاسکیں، کم وسائل میں زیادہ کامیابی حاصل ہو، اور اسلام کے امن پسند پیغام کو واضح کیا جاسکے کہ مقصد خونریزی نہیں بلکہ ہدایت ہے۔ مزید یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں حفاظتی حکمت عملی کے حوالے سے ایک ایسی سوچ پروان چڑھی، جس نے بتدریج ان کے طرزِ زندگی کو ایک منظم حفاظتی نظام میں تبدیل کر دیا۔ دانشمندی، فہم اور بصیرت کے ذریعے دشمن کے بیانات کا تجزیہ کیا گیا، درست معلومات تک رسائی کے لیے سیکیورٹی نظام قائم کیا گیا، اور ان معلومات کو اس انداز میں استعمال کیا گیا کہ جنگی مسائل کے حل میں نمایاں مدد ملی۔

آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ غطفان کا ایک گروہ خیبر کے یہودیوں کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سو افراد کے ساتھ وہاں بھیجا گیا۔ وہ رات بھر چلتے رہے اور دن گزرتا رہا، یہاں تک کہ انہوں نے ایک جاسوس کو گرفتار کیا۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ ان کا جاسوس ہے، جسے خیبر بھیجا گیا تھا۔ اس نے یہودیوں کو کچھ کھجوریں دے کر ان کی مدد کی پیشکش کی، جیسا کہ وہ پہلے بھی دوسروں کے ساتھ کر چکے تھے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ لوگ کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ تقریباً دو سو افراد جمع کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہمیں راستہ دکھاؤ۔ اس نے شرط رکھی کہ اسے امان دی جائے، جس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم ہماری مدد کروگے تو تمہیں امان دی جائے گی، ورنہ نہیں۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ بطور رہنما روانہ ہوا اور اس نے اس کے بدلے میں انعام بھی حاصل کیا۔ پھر مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا، چرواہے اپنی قوم کی طرف بھاگے اور انہیں خبردار کیا، جس کے نتیجے میں وہ منتشر ہوگئے اور جب اپنے لشکر کے پاس پہنچے تو وہاں کوئی موجود نہ تھا[106]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے جاسوس اور نگران مسلسل آپ ﷺ کو تمام حفاظتی اور عسکری معلومات فراہم کر رہے تھے۔ یہ ایک منظم نظام کی مانند تھا، جہاں مختلف محاذوں پر موجود افراد دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے، اس کا تعاقب کرتے اور معلومات فراہم کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خیبر کا علاقہ ایک محدود عسکری زون بن چکا تھا، جہاں دشمن کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی جارہی تھی اور ان کے جاسوسوں کو بھی قابو میں لایا جارہا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جاسوسی دستوں کے قائدین اور سیکیورٹی اہلکار اپنی ذہانت، وسعت نظر اور مستعدی میں نمایاں تھے۔ وہ زمینی حقائق کے مطابق فیصلے کرتے، جاسوسوں کا تعاقب کرتے، انہیں گرفتار کرکے تفتیش کرتے، اور ان کے اعترافات کی بنیاد پر دشمن کی قوت کو منتشر کرنے کی حکمت عملی اختیار کرتے تھے، تاکہ ان کی مزاحمت کی ہر ممکن امید ختم کی جاسکے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رجیع میں موجود تھے، نطاۃ کے رہنے والے ایک یہودی نے ہمیں رات کے وقت بلایا اور کہا: "میں امان چاہتا ہوں اور تمہیں کچھ اہم بات بتا سکتا ہوں"۔ ہم نے کہا: ٹھیک ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم جلدی سے اس کے پاس پہنچے، میں سب سے پہلے اس کے قریب گیا اور پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں ایک یہودی ہوں۔ پھر ہم اسے آپ ﷺ کے پاس لے گئے۔ اس نے کہا: اے ابو القاسم! اگر آپ مجھے اور میرے اہل و عیال کو امان دیں تو میں آپ کو یہودیوں کے کچھ راز بتاؤں گا۔ آپ ﷺ نے اسے امان دی، تو اس نے یہودیوں کے راز بتائے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فوراً صحابہ کو جمع کیا، انہیں جہاد کی ترغیب دی، اور بتایا کہ یہودی اپنے اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر بھاگ گئے ہیں اور ان کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے صبح ان پر حملہ کیا، اور اللہ نے ہمیں فتح عطا فرمائی، اور نطاۃ میں اولاد کے سوا کچھ باقی نہ رہا[107]۔

ان تفصیلات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غطفان اور خیبر کے درمیان آپریشن کے علاقے میں سیکیورٹی کا نظام انتہائی اہم تھا۔ مسلمانوں نے ایک یہودی کو ترغیب دی کہ وہ امان کے بدلے اہم معلومات فراہم کرے۔ ان معلومات نے قلعہ نطاۃ کی فتح میں کلیدی کردار ادا کیا، جس کے نتیجے میں خیبر میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد اسلامی ریاست کا دائرہ شمال کی طرف پھیل گیا اور شام تک جانے والے تجارتی راستوں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت حاصل ہو گئی[108]۔

یہ اس بات کی علامت تھی کہ حکمت عملی اپنے آخری مراحل تک کامیابی سے پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ جزیرۂ عرب میں سیکیورٹی اور عسکری کنٹرول حاصل کرنے کے بعد اب وقت آ گیا تھا کہ بیرونی طاقتوں، خصوصاً رومیوں، کے ساتھ ایک نئے مرحلے کے لیے تیاری کی جائے۔

تیسرا اقدام: رومیوں کے خلاف آپ ﷺ کی معلومات اور جنگ و جدال کے معرکہ

آپ ﷺ نے جزیرۂ نما عرب میں قریش اور دیگر عرب قبائل کے ساتھ تنازعات کو تیزی سے حل کیا۔ اس تیزی کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ جزیرۂ عرب سے باہر دین کی اشاعت کے لیے خود کو یکسو کر سکیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی دعوت کو بیرونِ ملک پھیلانے کے لیے بادشاہوں کو خطوط لکھے اور جزیرۂ عرب کے شمالی سرحدی علاقوں میں موجود عرب قبائل کو نظم و ضبط میں لانے کی کوشش کی۔ یہ حکمت عملی اس قدر مؤثر اور بامعنی تھی کہ شام کے رومی حکمران اس سے خوفزدہ ہو گئے۔ جب سے شام کے حکمرانوں اور ان کے حلیفوں کے ساتھ کشمکش کا آغاز ہوا، آپ ﷺ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے۔ دونوں فریقوں کے درمیان خفیہ اور اعلانیہ تصادم ہوا، اور معلوماتی جنگ شروع ہو گئی۔

غزوہ مؤتہ

غزوۂ مؤتہ ہجرت کے آٹھویں سال میں شرحبیل بن عمرو کے ہاتھوں حارث بن عمیر کے قتل کے ردِ عمل میں پیش آیا۔ آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کو امیر مقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے، اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان باہمی مشاورت سے اپنا امیر منتخب کریں۔ جب مسلمانوں کی نقل و حرکت کی خبر دشمن تک پہنچی تو شرحبیل بن عمرو نے ایک بڑا لشکر جمع کیا اور مقدمۃ الجیش کو آگے روانہ کیا۔ مسلمان معان کے مقام پر پہنچے تو انہیں اطلاع ملی کہ رومی بادشاہ نے مزید لشکر جمع کر لیے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے مشاورت کے بعد پیش قدمی جاری رکھی۔ جب تمام مقررہ امرا شہید ہو گئے تو مسلمانوں نے باہمی مشاورت سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کیا۔ انہوں نے قیادت سنبھالی، لشکر کی ترتیب بدلی، اور ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے رومیوں کو یہ گمان ہوا کہ مسلمانوں کو مزید کمک حاصل ہو رہی ہے۔ اس تدبیر کے ذریعے وہ کم سے کم نقصان کے ساتھ لشکر کو بحفاظت میدان سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے[109]۔

آپ ﷺ جزیرۂ عرب کے شمال میں موجود قبائل اور شام کے شہروں میں اسلامی ریاست کے اثرات قائم کرنے میں کامیاب ہوئے، جس سے علاقائی اتحاد متاثر ہوئے اور ایک نیا توازن قائم ہوا، جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کی قوت میں اضافہ ہوا[110]۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اسلامی ریاست اور اس کی مخالف قوتوں کے درمیان ذہنی کشمکش بھی شدت اختیار کر رہی تھی۔ اسلامی فوج کی نقل و حرکت ان معلومات پر مبنی تھی جو جاسوسوں کے ذریعے رومیوں کے بارے میں حاصل کی گئی تھیں، خواہ وہ مدینہ میں ہوں یا شام کے قرب و جوار میں آباد قبائل کے اندر ہوں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی جنگی حکمت عملی کے

ذریعے رومیوں کو یہ تاثر دیا کہ مسلمانوں کو بڑی کمک حاصل ہے، حالانکہ یہ ایک تدبیری چال تھی۔ اس حکمت عملی کی بنیاد حفاظتی مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے میدانِ جنگ میں حکمت عملی بدلنا اور دشمن کو غلط معلومات فراہم کرنا تھا، جس سے رومیوں کی حکمت عملی متاثر ہوئی اور مسلمانوں کو بحفاظت پسپائی اختیار کرنے کا موقع ملا۔

غزوۂ تبوک

مدینہ اور نباطیوں کے درمیان تجارتی تعلقات مضبوط تھے، اور بہت سے نباطی تاجر روزانہ مدینہ آتے جاتے تھے۔ انہی ذرائع سے اطلاعات موصول ہوئیں کہ رومیوں نے شام میں قبیلہ لخم، جذام، غسان اور عاملہ کے ساتھ بڑی فوج جمع کر لی ہے اور بلقاء کے مقام پر پڑاؤ ڈال رکھا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تیار ہونے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ وہ سخت گرمی اور طویل سفر کے باوجود تبوک کی طرف روانہ ہوں گے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی، جس کے نتیجے میں مرد، عورتیں، امیر اور غریب سب نے اس مشکل مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا[111]۔

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کو نباطی تاجروں کے ذریعے شام کے حالات سے مسلسل آگاہی حاصل ہوتی رہتی تھی۔ یہ امر دیگر جماعتوں کے ساتھ تعلقات کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ ان تعلقات کے ذریعے دشمن کے حالات سے آگاہی حاصل ہوتی تھی[112]۔ تاہم اس کے ساتھ یہ خطرہ بھی موجود تھا کہ مخالف فریق انہی تعلقات کو استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کر سکتا ہے یا تاجروں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔

مسلمان ثنیۃ الوداع سے تبوک کی جانب روانہ ہوئے، اس حال میں کہ آپ ﷺ نے جھنڈے اور علم اٹھائے ہوئے تھے[113]۔ آپ ﷺ نے تبوک میں بیس راتیں قیام کیا[114]۔ اس دوران آپ ﷺ نے مسلمانوں کی ہیبت اور وقار قائم کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے، جن میں جاسوسوں اور فوجی دستوں کو روانہ کرنا بھی شامل تھا۔ انہی میں سے ایک دستہ حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں چار سو بیس سواروں کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف بھیجا گیا، جہاں انہوں نے اکیدر نامی بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اسے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا اور اس سے جزیہ پر معاہدہ کر کے اسے آزاد کر دیا، چنانچہ وہ واپس اپنے علاقے چلا گیا[115]۔

اکیدر کی گرفتاری نے اس علاقے کے حکمرانوں اور امراء میں خوف و ہیبت پیدا کر دی، جس کے نتیجے میں انہوں نے اطاعت اور وفاداری کو ترجیح دی۔ چنانچہ دیگر حکمران، جیسے یحنہ بن روبہ (ایلہ کا بادشاہ)، آپ ﷺ کے پاس آئے اور جزیہ پر صلح کر لی، جبکہ جرباء اور اذرح کے باشندوں نے بھی اسی طرح مصالحت اختیار کی[116]۔

درست معلومات آپ ﷺ کی کامیابی کا اہم ذریعہ بنیں، کیونکہ انہی کی بنیاد پر آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو اکیدر کے مقام سے آگاہ کیا۔ معلومات کی درستگی نے خطے میں اسلامی ریاست کے قیام کو مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے نتیجے میں قبائل نے بغیر مزاحمت کے اطاعت قبول کی، اور شمالی علاقوں میں نئے اتحاد قائم ہوئے، جس سے جزیرۂ عرب پر مکمل کنٹرول حاصل ہو گیا۔ اس کامیابی کا بڑا سبب آپ ﷺ کی مؤثر حفاظتی حکمت عملی اور سیکیورٹی پالیسی تھی[117]۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ جزیرۂ عرب پر سیکیورٹی اور فوجی کنٹرول قائم ہو چکا تھا، اور اس میں معلومات نے بنیادی کردار ادا کیا۔ مزید برآں، حفاظتی فکر مسلمانوں کی زندگی کا ایک مستقل حصہ بن گئی، جس نے سیکیورٹی کے میدان میں ایک نئے مرحلے کی بنیاد رکھی۔

نتیجہ بحث

آخر میں یہ کہنا بجا ہے کہ آپ ﷺ کی حفاظتی حکمت عملی کی کامیابی، نبوی دور میں معلومات کی اہمیت، اور مقررہ اہداف کے حصول میں اس کے کردار نے متعدد تاریخی فتوحات کی راہ ہموار کی۔ اس کے نتیجے میں دنیا کے نقشے پر ایک نئی تزویراتی تبدیلی رونما ہوئی، جس نے طاقت کے توازن اور مستقبل کے طویل المدتی مراحل پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

References

1 al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ* (Beirut: Dār Ibn Kathīr, 1977), 1:4.
2 Ibn Hishām, ʿAbd al-Malik, *al-Sīrah al-Nabawiyyah* (Ṭanṭā, Miṣr: Dār al-Ṣaḥābah li-l-Turāth, 1995), 1:309.
3 Ibid, 2: 324.
4 Ibn Isḥāq, Muḥammad ibn Yasār, al-Mubtadaʾ *wa al-Mabʿath wa al-Maghāzī* (n.p.: Maʿhad al-Dirāsāt, n.d.), 3:118.
5 Ibid
6 Ḥammūdī, Aḥmad ibn Ibrāhīm, *Fiqh al-Amn wa al-Mukhābarāt* (Riyadh: Jāmiʿat Nāyif li-l-ʿUlūm al-Amniyyah, 2006), 30.
7 Ibn Isḥāq, *al-Maghāzī,* 3:121
8 Ibid., 1401.
9 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 3:1295.
10 Muslim ibn al-Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, n.d.), 1:569.
11 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 2:33.
12 Ibid., p. 52
13 Ibid., 1:408–409.
14 Ibn Saʿd, Muḥammad, *al-Ṭabaqāt al-Kubrā* (Beirut: Dār Ṣādir, 1968), 1:204.
15 Ibid., p. 207.
16 al-Ṣallābī, ʿAlī Muḥammad, *al-Sīrah al-Nabawiyyah* (Cairo: Maktabat al-Wafāʾ, 2007), 2.
17 Quṭb, Sayyid, *Fī Ẓilāl al-Qurʾān* (Cairo: Dār al-Shurūq, 1992), 1:29.
18 Ḥammūdī, *Fiqh al-Amn*, 32.
19 Ibn Ḥanbal, Aḥmad, *al-Musnad* (Miṣr: Muʾassasat Qurṭubah, n.d.), 1:202
20 Ibn Ḥanbal, *al-Musnad,* 6:427
21 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 3:1398.
22 Ibn Ḥanbal, *al-Musnad*, 6:198.
23 ʿAbd al-Razzāq, *al-Muṣannaf* (Beirut: al-Maktab al-Islāmī, 1983), 5:389
24 Ḥammūdī, *Fiqh al-Amn*, 35
25 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 3:1418.
26 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 3:1418–1419.
27 al-Ghazālī, Muḥammad, *Fiqh al-Sīrah* (Cairo: Dār al-Shurūq, 1987), 125.
28 Muslim, *Ṣaḥīḥ Muslim*, ḥadīth no. 5617.
29 Ḥammūdī, *Fiqh al-Amn*, 37.
30 Ibid., p. 38.
31 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 1:235.
32 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 3:1421.
33 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 2:246.
34 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 2:7.
35 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 2:240.
36 al-Wāqidī, Muḥammad ibn ʿUmar, *Kitāb al-Maghāzī* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2004), 1:23.
37 Ibn Khayyāṭ, Khalīfah, *Tārīkh* (Beirut: Dār al-Qalam, n.d.), 1:57
38 al-Ghaḍbān, Muḥammad Munīr, *al-Manhaj al-Ḥarakī li-l-Sīrah al-Nabawiyyah* (Jordan: Maktabat al-Zarqāʾ, 1990), 2:397.
39 Ḥammūdī, *Fiqh al-Amn*, 79.
40 al-Dhahabī, Muḥammad ibn Aḥmad, *Tārīkh al-Islām* (Beirut: Dār al-Kitāb al-ʿArabī, 1990), 2:45.
41 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 2:9.

42 al-Ṭabarī, Muḥammad ibn Jarīr, *Tārīkh al-Umam wa al-Mulūk* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2008), 2:50.
43 Ibn Isḥāq, *al-Maghāzī*, 6:32.
44 al-Ṣāliḥī, Muḥammad ibn Yūsuf, *Subul al-Hudā wa al-Rashād fī Sīrat Khayr al-ʿIbād* (Cairo: Lajnat Iḥyāʾ al-Turāth al-Islāmī, 1997), 6:32.
45 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 1:183.
46 Ibid.
47 al-Ṭabarī, *Tārīkh*, 2:55.
48 al-Khaṭṭāb, Maḥmūd Shīt, *al-Rasūl al-Qāʾid* (Beirut: Dār al-Fikr, 2002), 164.
49 Ibn Ḥabīb, Aḥsan ibn ʿUmar, *al-Muqtafā min Sīrat al-Muṣṭafā* (Cairo: Dār al-Ḥadīth, 1996), 1:146.
50 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 1:333.
51 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 4:1513.
52 Ibn al-Athīr, *al-Kāmil fī al-Tārīkh* (Cairo: Dār al-Ḥadīth, 2010), 2:59.
53 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 2:84.
54 al-Ṭabarī, *Tārīkh*, 2:126.
55 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 2:131.
56 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 2:251.
57 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 3:216.
58 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 2:271.
59 al-Ṭabarī, *Tārīkh*, 2:26.
60 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 2:24.
61 al-Māwardī, ʿAlī ibn Muḥammad, *al-Ḥāwī al-Kabīr fī Madhhab al-Imām al-Shāfiʿī* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1999), 14:33.
62 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 1:189.
63 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 3:205
64 Ḥammūdī, *Fiqh al-Amn*, 54
65 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 1:382.
66 Ibid., p. 189.
67 Ibn Abī Shaybah, *al-Muṣannaf*, 7:387.
68 ʿArmūsh, Aḥmad Rātib, *Qiyādat al-Rasūl al-Siyāsiyyah* (Beirut: Dār al-Nafāʾis, 1991), 162.
69 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 2:31.
70 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 2:974–975.
71 ʿAbd al-Razzāq, *al-Muṣannaf*, 5:336.
72 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 3:313.
73 ʿAbd al-Razzāq, *al-Muṣannaf*, 5:337.
74 Muslim, *Ṣaḥīḥ*, 3:1397.
75 Abū ʿUbayd, Qāsim ibn Sallām, *Kitāb al-Amwāl* (Beirut: Dār al-Fikr, 1988), 1:31.
76 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 1:285.
77 Al Qurʾān, 3:64.
78 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 1:7.
79 Ibn Bakkār, al-Zubayr, *al-Muntaqā min Kitāb Azwāj al-Nabī* (Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 1982), 1:55.
80 Abū Nuʿaym, *Maʿrifat al-Ṣaḥābah* (Riyadh: Dār al-Qiṭn li-l-Nashr, 1998), 2:696.
81 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 4:1610.
82 al-Ṭabarī, *Tārīkh*, 2:133.
83 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 3:1074.
84 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 1:62.
85 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 2:273.
86 Ibid., 2:281.
87 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 1:73.
88 al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, 4:1458.
89 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 2:37.
90 Ibn Isḥāq, *al-Maghāzī*, 3:513.
91 al-Kalāʿī, Sulaymān ibn Mūsā, *al-Iktifāʾ* (Beirut: ʿĀlam al-Kutub, 1996), 2:87.
92 Ibn Ḥanbal, *al-Musnad*, 3:365.
93 al-Nasāʾī, Aḥmad ibn Shuʿayb, *al-Sunan al-Kubrā* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1991), 5:264.
94 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 1:391.
95 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 1:391–392.
96 Muslim, Ṣaḥīḥ, 3:1414.

97 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 4:12–13.
98 Ibid., 2:235
99 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 4:15.
100 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 2:238.
101 Ibn Hishām, *al-Sīrah*, 4:18.
102 Ibid., 2:141.
103 Ibn Abī Shaybah, *al-Muṣannaf,* 7:379.
104 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 1:394.
105 Ibid, 2:118–119.
106 Ibid, 2:59.
107 Ibid, 2:122.
108 al-Mallāḥ, Hāshim Yaḥyā, *al-Wasīṭ fī al-Sīrah al-Nabawiyyah* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2007), 267.
109 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 2:128–129.
110 al-Mallāḥ, *al-Wasīṭ*, 271.
111 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 2:379.
112 Ḥammūdī, *Fiqh al-Amn*, 35.
113 al-Wāqidī, *al-Maghāzī*, 2:379, 384.
114 Ibn Saʿd, *al-Ṭabaqāt*, 2:168.
115 Ibid., p. 166.
116 al-Wāqidī, *al-Maghāzī,* 2:409.
117 Armūsh, *Qiyādat al-Rasūl*, 146–147.